الحمد للہ والمنّتہ

تذکرۃ الشہید

یعنی

ذکرِ لطیف صاحبزادہ حضرت عبداللطیف شہیدؒ

جسے

محترم ہارون احمد نے بعض افراد خاندان کے تعاون سے رقم کیا

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

17 ۔ مولانا آزاد روڈ

چوتھی منزل ۔ جیکب سرکل بمبئی 400011

فون :- 3088330 --- 3093438

مطبع :- جیّد پریس بلیماران دھلی

www.aaiil.org

خلاصہ

احمدیت علمی رنگ میں

(۱) اسلام ایک زندہ مذہب ہے جس کے کامل پیرؤں کو اللہ تعالیٰ اپنی ہمکلامی کا شرف عطا فرماتا ہے

(۲) اسلام کامل وحدت کا مذہب ہے جس کے پیرو سب بھائی بھائی ہیں اور کوئی شخص کسی اختلاف کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے۔

(۳) اسلام کامل وسعت کا مذہب ہے جو تمام نسل انسانی کی وحدت کو اور ہر قوم کے اندر نبیوں کے آنے کو تسلیم کرتا ہے۔

(۴) اسلام ایک فاتح مذہب ہے جو تمام مذاہب پر غالب آئیگا اور جسکے اصول عام طور پر دنیا میں قبولیت حاصل کرتے جاتے ہیں۔

(۵) اسلام ایک علمی مذہب ہے اور اس کے اصول اور فروع علم و عقل کے مطابق ہیں۔

(۶) اسلام میں اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے اور جو نئی ضرورتیا مسلمانوں کو پیش آئیں انکا حل بذریعہ اجتہاد ہوتا رہیگا۔

(۷) قرآن شریف شریعت اسلامی کا اصل اور غیر متبدل ماخذ ہے۔ اور مسلمانوں کی زندگی کا اصل سرچشمہ ہے۔ اور سب سے بلند تر مقام رکھتا ہے۔ حدیث قرآن کے ماتحت ہے اور فقہ یا اجتہاد ائمہ قرآن حدیث کے ماتحت ہے۔

(۸) قرآن شریف قیامت تک نسل انسانی کی ہدایت کا سرچشمہ ہے اسکی کوئی آیت نہ پہلے کبھی منسوخ ہوئی نہ آئندہ ہوگی۔

(۹) قرآن شریف عظیم الشان روحانی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور اپنی روحانی طاقت سے قلوب کو فتح کرتا ہے اپنی فتوحات کیلئے تلوار کا نہ کبھی پہلے محتاج ہوا نہ آئندہ ہوگا۔

(۱۰) قرآن شریف تمام مذہبی صداقتوں کا جامع ہے۔ تمام مذہبی مسائل پر اعلیٰ درجہ کی روشنی ڈالتا ہے۔ مذہبی مسائل پر نہ صرف تمام دعاوی کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے بلکہ ہر دعوی کے دلائل بھی پیش کرتا ہے۔

(۱۱) محمد رسول اللہ صلعم تمام انبیاء کے کمالات کو اپنے اندر جمع رکھتے ہیں اسلئے یہ امت کسی دوسرے نبی کی محتاج نہ پہلے ہوئی نہ آئندہ ہوگی

(۱۲) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے خاتم ہیں اور آپکے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا نہ نیا نہ پرانا۔ مجدد ہر صدی کے سر پر آتے رہیں گے تاکہ غلطیوں کو دور کرکے مسلمانوں کو سیدھی راہ پر ڈالیں اور محدث اور اولیاء ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوگا۔

احمدیت عملی رنگ میں

(۱) دنیا کی تمام قوموں کے مذہبی پیشواؤں اور کتب مقدسہ کا احترام کیا جائے۔

(۲) تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تمام ائمہ (خواہ وہ کسی فرقہ کے ہوں) تمام اولیا۔ تمام مجددین کا احترام کیا جائے۔

(۳) تمام اسلامی فرقوں کو ایک درخت کی مختلف شاخیں سمجھا جائے۔ قرآن اور رسول پر سب کا اجتماع ہے خواہ فروع میں کتنے بھی اختلاف ہوں۔

(۴) احکام شریعت کی تابعداری اور شعار اسلامی کا احترام کیا جائے۔ اور قرآن شریف کی حکومت کو کلی طور پر قبول کر کے ہر ایک رسم و رواج سے اجتناب کیا جائے۔

(۵) تمام بنی نوع انسان سے ہمدردی رکھی جائے خواہ کسی مذہب کسی ملک کسی قوم کے لوگ ہوں۔

(۶) ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھ کر بحد طاقت اس کی مدد کی جائے۔

(۷) خدمت دین امام وقت اور مجدد کے ساتھ ہو کر اس کے حکم کے مطابق کی جائے۔ قوم کے اندر سے ہر ایک غلطی کی اصلاح کے لئے ایمانی جرأت سے کام لیا جائے۔

(۸) اسلام۔ اسلام کی کتاب۔ اسلام کے پیغمبر پر جو حملے ہوں ان کا دفاع کیا جائے اور اپنے آپ کو اسلام کی محافظ فوج کی حیثیت دی جائے۔

(۹) تبلیغ اسلام میں اپنے آپ کو ایک مجاہد فی سبیل اللہ سمجھا جائے اور خدا کے کلام کو اور پیغام اسلام کو دنیا کی تمام قوموں تک پہنچایا جائے۔

(۱۰) اپنے وقت اور اپنے اموال کا کم سے کم ایک حصہ دین کی حفاظت اور اشاعت کیلئے وقف کیا جائے

(۱۱) خدا کے دین کیلئے ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف اور ذلت کو خوشدلی سے برداشت کیا جائے۔

(۱۲) دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے رسول خدا کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو۔ دین اسلام کے لئے غیرت تمام غیرتوں پر فائق ہو۔ اُمت محمدیہ کی خیر خواہی تمام خیر خواہیوں سے بڑھ کر ہو۔

حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف شہید کی مختصر سوانح حیات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

زیرِ نظر کتابچہ میں صاحبزادہ حضرت عبداللطیف شہید کے سوانح حیات مختصراً درج ہیں۔ یہ سوانح عزیز مکرم صاحبزادہ ہارون احمد نے بعض افراد خاندان کے تعاون سے قلم بند کیئے۔

حضرت صاحبزادہ شہید کا مقام و مرتبہ اور آپ کی شہادت کا کرب انگیز اور ایمان افروز واقعہ ہماری جماعتی زندگی میں کسی تعارف کا محتاج نہیں یہ شہادت عظیم ہمارے لیئے ایمان و ایقان کی راہوں میں صبر و استقامت کی روشن شمع ہے۔ آج کے اندھیاروں میں اس کے نور سے اپنی رہ حیات فروزاں کرنے کی جسقدر ضرورت ہے شاید اس سے قبل ایسی نہ تھی۔ حضرت صاحبزادہ مرحوم کی شہادت کا ذکر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی تصنیف لطیف موسومہ بہ "تذکرۃ الشہادتین" میں فرمایا ہے ساتھ ہی شہید مرحوم کے ایک اور جاں نثار شاگرد حضرت میاں عبدالرحمٰن شہید کے حالات بھی مذکور ہیں پھر اس میں حضرت بانی سلسلہ نے اپنی جماعت کے لیے بعض نصائح بھی درج فرمائی ہیں۔ اور جماعت کو ایک ضروری امر کی طرف توجہ دلائی ہے جو ہر وقت ہماری نظروں کے سامنے رہنے کی متقاضی ہیں۔ لازم ہے کہ احباب اس کتاب کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کریں اور بار بار کریں تا نفوس کو استقامت نصیب ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

زیرِ نظر کتابچہ میں صاحبزادہ حضرت عبداللطیف شہید کے سوانح حیات مختصراً درج ہیں۔ یہ سوانح عزیز محترم صاحبزادہ ہارون احمد نے بعض افراد خاندان کے تعاون سے قلم کیئے۔

حضرت صاحبزادہ شہید کا مقام و مرتبہ اور آپ کی شہادت کا کرب انگیز اور ایمان افروز واقعہ ہماری جماعتی زندگی میں کسی تعارف کا محتاج نہیں یہ شہادت عظیم ہمارے لیئے ایمان و ایقان کی راہوں میں صبر و استقامت کی روشن شمع ہے۔ آج کے اندھیاروں میں اس کے نور سے اپنی رہ حیات فروزاں کرنے کی جسقدر ضرورت ہے شاید اس سے قبل ایسی نہ تھی۔ حضرت صاحبزادہ مرحوم کی شہادت کا ذکر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی تصنیف لطیف موسومہ بہ "تذکرۃ الشہادتین" میں فرمایا ہے ساتھ ہی شہید مرحوم کے ایک اور جاں نثار شاگرد حضرت میاں عبدالرحمٰن شہید کے حالات بھی مذکور ہیں پھر اس میں حضرت بانی سلسلہ نے اپنی جماعت کے لیے بعض نصائح بھی درج فرمائی ہیں۔ اور جماعت کو ایک ضروری امر کی طرف توجہ دلائی ہے جو ہر وقت ہماری نظروں کے سامنے رہنے کی متقاضی ہیں۔ لازم ہے کہ احباب اس کتاب کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کریں اور بار بار کریں تا نفوس کو استقامت نصیب ہو۔

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہید کی مختصر سوانح حیات

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۔

شجرہ نسب:

آپؒ کے شجرہ نسب کے متعلق تو کوئی مصدقہ دستاویزی ثبوت نہیں مل سکا کیونکہ آپ کے گاؤں سید گاہ علاقہ خوست، افغانستان میں جب آپ کے مکان کو نذر آتش کیا گیا تو یہ دستاویز بھی دوسرے گھریلو سامان کے ساتھ جل گئی۔ لیکن آپ کے خاندان میں جو روایت چلی آرہی ہے اس کے مطابق آپ کا شجرہ نسب حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ سے ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بزرگ بھی ہندوستان میں ایران سے تشریف لائے اور سہارن پور (بھارت) میں آباد ہو گئے۔ آپ کے ایک بزرگ حضرت سید احمد سعید شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں سہارنپور میں آباد تھے۔ ان کے علم و فضل، تقویٰ اور طہارت کی وجہ سے اورنگ زیب عالمگیر انہیں بڑی قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان سے عقیدت رکھتے تھے جس کا ایک ثبوت یہ ہے

کہ شہنشاہ نے ان کو ان کی ذاتی لائبریری کے لیے ایسی ہزاروں کتابیں بطور تحفہ پیش کیں جن کی قیمت تقریباً ۹ لاکھ روپے بنتی تھی۔

سہارن پور سے افغانستان میں آمد

زمانے کے پُرآشوب حالات کی وجہ سے حضرت سید احمد سعید اورنگ زیب کے زمانے میں ہی سہارن پور سے ہجرت کر کے افغانستان میں آگئے۔ اور علاقہ خوست میں سید گاہ نامی مقام پر آباد ہو گئے۔

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف رحؓ کے والد کا نام محمد شریف تھا۔ ان کے دو بھائی محمد حنیف اور عبدالعزیز تھے۔ ان دونوں کی اولاد میں ایک ایک لڑکا اور ایک ایک لڑکی تھی۔ جو بعد میں فوت ہو گئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے پانچ بیٹے دیئے جن کی اولاد خوب پھلی اور پھولی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت مسیح موعودؑ کے پاک دامن سے وابستگی کا نتیجہ تھا۔ ان سب کا مرکز سید گاہ ہی تھا۔

تعلیم

جب آپ سن شعور کو پہنچے تو آپ کی تعلیم کا دور شروع ہوا۔ آپ کا بچپن اور جوانی دینی تعلیم کے حصول اور سلوک کی منزلیں طے کرنے میں صرف ہوئی۔ آپ نے علم کی پیاس بجھانے کے لیے مشکلات اور مصائب کی پرواہ کیے بغیر دُور دُور کا سفر اختیار کیا۔ آپ اس شوق میں افغانستان سے روانہ ہو کر براستہ میرانشاہ۔ بنوں سرائے نورنگ عیسیٰ خیل پہنچے اور دریائے سندھ بذریعہ کشتی عبور کر کے کندیاں کے مقام پر ریل گاڑی میں سوار ہوئے۔ سفر کے دوران میں جہاں جہاں کسی بڑے اور

منتقی عالم دین کے متعلق علم ہوتا تو ان سے استفادہ کے لیے ان کے پاس پہنچ جاتے آپ نے اسی شوق میں سہارن پور، دہلی، پشاور، دیوبند اور دیگر متعدد مقامات کا سفر اختیار کیا۔ اور وہاں کے نامور علماء سے علم حاصل کیا۔ علم کی خاطر آپ کئی کئی سال تک گھر سے باہر رہتے۔ آپ کا سامانِ سفر صرف دو جوڑے سوتی کپڑے اور ایک چمڑے کا لباس ہوتا جسے غالباً سردیوں میں بوقت ضرورت استعمال کرتے۔

آپ نے مختلف دینی درسگاہوں میں تقریباً تیرہ سال تک تعلیم حاصل کی۔ آپ کو قرآن کریم، حدیث، فقہ اور منطق پر پورا عبور حاصل تھا اور زبانوں میں آپ کو عربی فارسی اردو اور پشتو میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی ذہانت اور خداداد حافظہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو تقریباً تین لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔

سیدگاہ واپسی اور آپؒ کی مصروفیات

تحصیل علم کے بعد آپ نے افغانستان واپس آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دور دراز سے لوگ آتے اور آپ کے فیوض علمی اور روحانی سے بہرہ مند ہوتے۔ آپ نے جس چشمہ سے خود سیر ہو کر پیا اسے دوسروں کی خاطر جاری کر دیا۔ لوگوں کو روحانی رزق سے فیض یاب کرنے کے علاوہ ان کے طعام و قیام کا انتظام بھی خود ہی کرتے خوست میں آپ کی تقریباً چار لاکھ کنال زمین تھی جس کی زیادہ تر آمدنی غرباء اور مسجد کے طالب علموں پر خرچ ہوتی تھی۔ آپ خود نہایت سادہ زندگی گزارتے تھے۔ سادہ اور طیب غذا اور سادہ پوشاک آپ کو تصنع اور بناوٹ سے بے حد نفرت تھی۔ آپ کی پسندیدہ غذا مونگ کی دال کی کھچڑی تھی۔ پتلے چمڑے کے جوتے معمولی قسم کے کپڑے، سفید پگڑی اور کندھے پر ململ کا کپڑا آپ کا لباس تھا۔ ہاتھ میں ہمیشہ عصا رکھتے تھے۔ مخلوق خدا سے انہیں بہت محبت تھی۔ ہر ایک سے بلا تفریق پیار اور شفقت سے پیش آتے تھے۔

پیر صاحب مانکی کی مُریدی

آپ کو پیری مریدی سے سخت نفرت تھی لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک زمانے میں آپ پیر مانکی کے مرید ہو گئے۔ اسی دوران میں آپ کو معلوم ہو گیا کہ پیر صاحب قرآن وسنت اور احکامِ شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔ ایک دو مواقع پر تو آپ ایسی خلاف قرآن وسنت حرکتوں پر خاموش ہو گئے لیکن آخر کار آپ سے نہ رہا گیا اور بھری مجلس پیر صاحب سے فرمایا کہ آپ قرآن وحدیث اور شریعت اسلامی کے خلاف باتیں اور عمل کرتے ہیں۔ اس پر پیر صاحب نے آپ کو اشارہ سے خاموش رہنے کو کہا۔ لیکن صاحبزادہ صاحب نے اپنی بات جاری رکھی جس پر پیر صاحب بہت برافروختہ اور سیخ پا ہو گئے۔ صاحبزادہ صاحب نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا۔ پیر صاحب! یہ رہی آپ کی عطا کردہ تسبیح اور یہ رہا آپ کا عصا اور مجلس سے اُٹھ کر سیدھے اپنے گاؤں سیدگاہ (افغانستان) چلے گئے۔ پیر صاحب اور ان کے مریدوں نے صاحبزادہ صاحب کے اس رویے کو اپنی توہین سمجھا اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے ارادۂ بد سے محفوظ رکھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں قرآن وحدیث کا کیا مقام اور شرعی احکام کی بجاآوری کے لیے کتنی غیرت تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ابتداء سے ہی کسی روحانی انسان کی تلاش میں تھے لیکن ان کو ایسا کوئی رہبر نہیں ملا تھا۔ یہ تلاش اور جستجو جاری تھی کہ آپ کو اپنا آئیڈیل مل گیا۔

صاحبزادہ صاحب کا یہ معمول تھا کہ علی الصبح مسجد میں جا کر خود اذان دیتے اور نماز کی امامت کرتے تھے مسجد جانے سے پہلے آپ کے بھائی آپ کے دروازے پر آپ کا انتظار کرتے اور آپ کے ساتھ جاتے تاکہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ سکے۔

صاحبزادہ صاحبؒ کا افغانستان میں روحانی اور دنیوی مقام

حضرت صاحبزادہ صاحب شہید بڑے عالم و فاضل اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ افغانستان میں وہ اپنے علم و فضل اور تقویٰ کی وجہ سے ولی اللہ مانے

جاتے تھے جس کی وجہ سے وہاں ان کے ہزارہا شاگرد اور عقیدت مند پیدا ہو گئے تھے۔ امیر عبدالرحمن شاہ کابل کی نظر میں بھی آپ کو ایک برگزیدہ عالم اور تمام علماء افغانستان کے سردار کی حیثیت اور مقام حاصل تھا گویا کہ آپ شمس العلماء تھے۔ آپ وہاں کے قاضی القضاۃ تھے اور تمام شرعی فیصلے آپ کے مشورہ سے طے پاتے تھے۔ اور آپ امیر عبدالرحمن کے یہاں تک منظور نظر تھے کہ اس کی وفات کے بعد امیر حبیب اللہ کی تاجپوشی کے وقت برکت کے لیے اس کے سر پر تاج حضرت شہید مرحوم کے دست مبارک سے ہی رکھوایا گیا۔

احمدیت کا شرف

"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ"

اللہ تعالیٰ جب کسی کو اپنی رحمت اور فضل سے نوازنے کا ارادہ کرلے تو اس کی رہنمائی کے لیے غیر متوقع طور پر عجیب عجیب مواقع پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت مسیح وقت کی غلامی کا شرف عطا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ڈیورنڈ لائن کی حد بندی کا موقع پیدا کر دیا۔

برطانوی ہندوستان اور افغانستان کے درمیان حد بندی کا واقعہ ۱۸۹۳ء میں پیش آیا۔ چونکہ یہ حد بندی ایک انگریز نمائندے مارٹیمر ڈیورنڈ (MORTINER DURAND) کے زیر نگرانی عمل میں آئی اس لیے اسے ڈیورنڈ لائن کہتے ہیں۔ انگریزوں کی طرف سے ڈیورنڈ کے ساتھ صاحبزادہ عبدالقیوم مرحوم بانی اسلامیہ کالج پشاور بھی شامل تھے۔ افغانستان کی طرف سے آنے والے کمشن میں سردار شیریں دل خان اور حضرت صاحبزادہ صاحب شامل تھے۔ حد بندی کے موقع پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے دیکھا کہ صاحبزادہ عبدالقیوم دو پتھر افغانستان کی طرف سے رکھ رہے ہیں تاکہ انگریزوں کی حدود بڑھ جائیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے صاحبزادہ عبدالقیوم کو مخاطب

کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو قیوم تم یہ دو پتھر افغانستان کی طرف رکھ کر اپنے لیے دوزخ میں جگہ بنا رہے ہو۔ بظاہر یہ بات بڑی معمولی نظر آتی ہے لیکن اس سے حضرت صاحبزادہ صاحب کی فراست، انصاف پسندی، جرأت، خدا خوفی اور اپنے ملک اور حکومت کے ساتھ وفاداری کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ وہی حکومت جس نے آخر کار آپ کے بیگناہ اور معصوم خون سے ہاتھ رنگ کر اپنے لیے اللہ تعالےٰ کی ناراضگی مول لی۔

اسی دوران میں صاحبزادہ صاحب مرحوم کی ملاقات اتفاقاً ایک ایسے شخص سے ہوئی جس نے آپ سے ذکر کیا کہ موضع قادیان، پنجاب میں ایک شخص نے اس زمانے کا مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے یہ سن کر حیرت اور استعجاب سے فرمایا اچھا وہ شخص آگیا ہے۔ ہم تو مدت سے اس کے انتظار میں تھے۔ اس شخص نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں جو دلائل دیتے ہیں ہندوستان کے علماء ان کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ بھی بہت بڑے عالم اور فاضل ہیں اور اللہ تعالےٰ سے آپ کا تعلق ہے۔ ہم اس مدعی کی کچھ کتابیں اپنے ساتھ لائے ہیں آپ انہیں پڑھ کر ان کا جواب لکھیں۔ صاحبزادہ صاحب مرحوم نے بڑے اشتیاق اور خلوص کے ساتھ یہ کتابیں لے لیں۔ آپ کو یہ کتابیں تو اس نیت سے دی گئی تھیں کہ ان کے پڑھنے کے بعد آپ بھی حضور پر نعوذ باللہ کفر کا فتویٰ صادر کریں گے لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ یہی کتابیں ان کے لیے شہادت کے عالی مقام کا سبب بن جائیں گی

ڈیورنڈ لائن کی حد بندی کے بعد آپ سیدھے اپنے گاؤں سیدگاہ واپس تشریف لے آئے اور گھر سے ملحقہ اپنی مطالعہ گاہ میں بیٹھ کر یہ کتابیں پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ مغرب کی نماز کے بعد آپ کی بیگم نے آپ سے کہا آپ بہت تھکے ہوئے ہیں تھوڑی دیر آرام کر لیں۔ آپ نے جواب دیا۔ آپ لوگ سو جائیں میں بھی تھوڑی دیر بعد سو جاؤں گا۔ لیکن زمانے کے مامور کی کتابوں میں کچھ ایسی کشش اور جاذبیت تھی اور

ایسا نور تھا کہ آپ ساری رات پڑھنے میں مشغول رہے حتیٰ کہ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا نماز کے بعد واپس آکر سو گئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے ان کتابوں کے متعلق فرمایا ہے کہ :-

"مجھ پر پہلے سے یہ کشفی طور پر واضح ہو چکا تھا کہ اس زمانے میں کسی بڑے عالی پایہ مجدد کا ظہور ہونے والا ہے اور مجھے ایسا وہم گذرتا تھا کہ شاید میں ہی نہ وہ شخص ہوں لیکن جب میں نے حضرت مرزا صاحبؑ کی کتب پڑھیں تو معاً میرے قلب نے تصدیق کی یہ وہی شخص ہے جس کے ظہور کی عالم روحانیات میں تیاریاں تھیں تو پھر جب کتب کو زیادہ غور سے پڑھا تو حق بکلی روشن ہو گیا۔"

(بحوالہ مجدد اعظم حصہ دوم صفحہ ۹۳۹ فٹ نوٹ ۱ ، از مؤلف)

ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد آپ کا شوق اور بھی بڑھ گیا اور یہ تحقیق شروع کی کہ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کی صداقت اور حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مزید چھان پھٹک کی جائے۔ اور اس غرض کے لیے آپ نے اپنے چند معتمد شاگردوں کو جن میں مولوی عبدالرحمٰن شہید بھی شامل تھے قادیان روانہ کیا اور ان کے ہاتھ حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضرت صاحب کی خدمت میں ایک خط بھی بھیجا۔ چند ہفتے قادیان میں قیام کے بعد یہ لوگ واپس خوست پہنچے اور حضرت صاحب کے دعویٰ کی تصدیق کی۔ وہ حضرت صاحب کی طرف سے حضرت صاحبزادہ صاحب کے خط کا جواب بھی اپنے ساتھ لائے۔ حضرت صاحب نے آپ کو سلام بھی بھیجا۔ صاحبزادہ صاحب نے یہ خط پڑھنے کے بعد فرمایا کہ اس کے متعلق اور زیادہ تحقیق کرنی چاہیئے تاکہ ہم ان کی بیعت کا ارادہ کریں۔

احمدیت کی تبلیغ اور مولوی عبدالرحمٰن کی شہادت

اس مقصد کے لیے حضرت صاحبزادہ صاحب کے ایماء پر مولوی عبدالرحمان

صاحبؓ دو تین مرتبہ قادیان گئے اور ہر مرتبہ کئی کئی ماہ تک حضرت صاحب کی صحبت میں رہنے اور آپ کے دلائل سننے کا شرف حاصل کیا۔ حضرت صاحب پر آپ کا یقین اور ایمان اس قدر پختہ ہو گیا کہ احمدیت کی تبلیغ کا شوق جنون کی حد تک ان کے دل میں پیدا ہو گیا۔ آخری مرتبہ جب آپ خوست واپس آئے تو انہوں نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے سامنے حضرت صاحب کے دعویٰ مسیح موعود کی پرجوش انداز میں تصدیق کی اور کابل میں بڑے زور شور سے احمدیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ وہاں کے ملاؤں نے امیر عبدالرحمان سے یہ شکایت کی کہ مولوی عبدالرحمان یہاں قادیانیت کی تبلیغ کر کے آپ کے راستے میں کانٹے بو رہا ہے اور آپ کی سلطنت کو تباہ کرنے کے درپے ہے چنانچہ آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ اور گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ امیر عبدالرحمٰن کے حکم سے جیل ہی میں آپ کا گلا گھونٹ کر شہید کر دیا گیا۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالرحمٰن کو ۱۹۰۱ء میں شہید کیا گیا اور اسی سال امیر عبدالرحمٰن بھی فوت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے معصوم اور بے گناہ بندوں کے خون سے ہاتھ رنگنے والا ظالم اور سفّاک انسان اس کے انتقام اور غضب سے نہ کبھی پہلے بچا ہے اور نہ آئندہ بچ سکے گا۔

شہید مرحوم کا اپنے متعلق ایک کشف

امیر عبدالرحمٰن کے زمانہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب قاضی القضاۃ کے اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے اپنے تقویٰ، طہارت اور علمی فضیلت کی وجہ سے وہ بادشاہ کے منظور نظر تھے۔ اکثر امور سلطنت ان کے صائب مشوروں سے سرانجام پاتے تھے اس لیے ان کا زیادہ تر وقت کابل کے شاہی دربار میں گذرتا تھا مگر کبھی کبھار آپ خوست بھی آ جایا کرتے تھے۔ یہ سفر پیدل یا گھوڑے پر ہوتا تھا۔ آپ کے ہم سفر آپ کے ایک شاگرد مولوی عبدالجلیل صاحب مرحوم ہوا کرتے تھے۔ ان کی زبانی معلوم

ہوا کہ ایک دفعہ سفر کے دوران میں حضرت صاحبزادہ صاحب مرحوم نے ان سے (مولوی عبدالجلیل) سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ پتھر مجھے اپنے خون سے سرخ دکھائی دیتے ہیں معلوم ہوتا ہے یہ سرزمین مجھ سے خون کی قربانی مانگتی ہے حالانکہ اس وقت کوئی ایسے آثار نہ تھے کیونکہ کابل میں آپ کو عزت و تکریم کا بلند ترین مقام حاصل تھا اور بادشاہ کا قرب بھی آپ کو حاصل تھا۔ لیکن یہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کی طرف الٰہی اشارہ تھا۔

امیر عبدالرحمٰن کی وفات اور حبیب اللہ کی تخت نشینی

امیر عبدالرحمٰن ۱۹۰۱ء میں فوت ہو گیا۔ اس کی فوتیدگی کی خبر بھی بھرے دربار میں حضرت صاحبزادہ صاحبؒ نے ہی سنائی کیونکہ اس کے خوف سے ایسی خبر سنانے کی اور کسی کو جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ اس نے کئی بار خود اپنے مرنے کے متعلق افواہ پھیلائی تھی اور جب اسے معلوم ہوتا کہ فلاں فلاں اس کی موت پر خوش ہوئے ہیں تو انہیں قتل کرا دیتا۔ امیر عبدالرحمٰن کے مرنے کے بعد اس کے دو بیٹوں حبیب اللہ اور نصر اللہ کے درمیان تخت نشینی کے لیے کشمکش شروع ہو گئی۔ نصر اللہ چونکہ بڑا تھا اسلیے وہ اپنے آپ کو تخت و تاج کا جائز وارث سمجھتا تھا۔ جب معاملہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے حبیب اللہ کے حق میں اپنا فیصلہ دیدیا اور حبیب اللہ کے سر پر تاج بھی آپ ہی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا۔ نصر اللہ صاحبزادہؒ کے خون کا پیاسا ہو گیا اور ان سے انتقام لینے کے موقعہ کا انتظار کرنے لگا۔

حج کے لیے روانگی اور حضرت صاحب کی خدمت میں حاضری

حضرت صاحب کی کتب کے مطالعہ کے بعد شوقِ ملاقات اس قدر بڑھا کہ اور زیادہ انتظار آپ کے لیے مشکل ہو گیا۔ آپ کے اس قدر اضطراب، شوق اور اخلاص کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے حج کا ارادہ کر لیا کہ اس طرح حج کو جاتے ہوئے قادیان میں حضرت اقدس سے ملاقات کا موقعہ بھی مل جائے گا۔ چنانچہ آپ نے امیر کابل سے حج پر

جانے کی اجازت چاہی۔ چونکہ امیر کی نظر میں آپ کا بڑا مقام تھا اس نے بہت سے قیمتی تحائف دے کر بڑی خوشی سے اجازت دے دی۔ آپ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ براستہ پنجاب حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ امرتسر پہنچنے پر آپ کو معلوم ہوا کہ حج پر جانے کی پابندی ہے اور حج کے ایام بھی ابھی بہت دور ہیں۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ قادیان جا کر حضرت صاحب کی زیارت کر لیں۔ امرتسر سے آپ بٹالہ جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ بٹالہ سے قادیان تک گیارہ بارہ میل کا فاصلہ ٹانگہ میں طے کرنا پڑتا تھا۔ آپ اپنے ساتھیوں سمیت ٹانگہ میں سوار ہو کر قادیان کے لیے روانہ ہو گئے۔ قادیان کے قریب پہنچ کر آپ کی نظر جب منارۃ المسیح پر پڑی تو آپ کی زبان سے بے اختیار سبحان اللہ سبحان اللہ کے الفاظ نکلے اور آپ جلدی ہی قادیان پہنچ گئے۔ قادیان پہنچنے پر حضرت صاحب نے آپ کو اپنے گھر میں ٹھہرنے کی دعوت دی لیکن آپ نے نہایت ادب سے فرمایا کہ ہم مسیح کے مہمان ہیں اس لیے مسیح کے مہمانخانہ میں ہی ٹھہریں گے۔ آپ کی خواہش پر آپ کو مہمانخانہ کے ایک کمرہ میں ہی ٹھہرایا گیا۔ کھانا مہمانخانہ سے ہی آتا تھا۔ مگر کبھی کبھی حضرت مسیح موعود کی مہمان نوازی کا شرف بھی حاصل ہو جاتا تھا۔ حضرت مسیح موعود کو اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع کا بڑا خیال رہتا تھا۔ آپ نے میر ناصر نواب صاحب (حضرت صاحب کے خسر) سے جو مہمانخانہ کے مہتمم تھے کہا کہ جا کر صاحبزادہ صاحب سے معلوم کریں کہ وہ کیا کھانا پسند کریں گے۔ میر صاحب نے حضرت صاحب کا پیغام آپ تک پہنچایا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ "میر صاحب من عبد شکم عبد البطن نیستم۔" میں اللہ کا بندہ ہوں۔ پیٹ کا بندہ نہیں ہوں۔ جو مسیح کے لنگر میں پکے گا ہم وہی کھائیں گے۔

حضرت صاحبؑ کی زیارت اور قادیان میں قیام

امام وقت کے چہرہ پر نور پر جب آپ کی نظر پڑی تو بے خودی کے عالم

میں آپ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔ عشق و محبت کا وہ جذبہ آپ پر طاری ہوا کہ بس وہیں کے ہو رہے حتیٰ کہ حج کا وقت بھی نکل گیا۔ حضرت صاحب "تذکرۃ الشہادتین" میں اس ملاقات کے متعلق فرماتے ہیں:

"حبیب محمد سے ان کی ملاقات ہوئی تو قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں نے ان کو اپنی پیروی اور اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ایسا فنا شدہ پایا کہ جس سے بڑھ کر انسان کے لیے ممکن نہیں۔ اور جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی میں نے ان کو اپنی محبت سے بھرا ہوا پایا اور جیسا کہ ان کا چہرہ نورانی تھا ایسا ہی ان کا دل مجھے نورانی معلوم ہوتا تھا۔ اس بزرگ مرحوم میں نہایت قابل رشک یہ صفت تھی کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے اور وہ درحقیقت ان راستبازوں میں سے تھا جو خدا سے ڈر کر اپنے تقویٰ اور اطاعتِ الٰہی کو انتہا تک پہنچاتے ہیں اور خدا کے خوش کرنے کے لیے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جان، عزت اور مال کو ایک ناکارہ خس و خاشاک کی طرح اپنے ہاتھ سے چھوڑ دینے کو تیار ہوتے ہیں۔ اس کی ایمانی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر میں اس کو ایک بڑے سے بڑے پہاڑ سے تشبیہہ دوں تو میں ڈرتا ہوں کہ میری تشبیہہ ناقص نہ ہو۔۔۔۔۔۔

اور جب وہ میرے پاس پہنچا تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ کن دلائل سے آپ نے مجھے شناخت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے قرآن ہے جس نے آپ کی طرف میری راہنمائی کی اور فرمایا کہ میں ایسی طبیعت کا آدمی تھا کہ پہلے سے فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ زمانہ جس میں ہم ہیں اس زمانہ کے اکثر مسلمان اسلامی روحانیت سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ وہ اپنی زبانوں سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے دل مومن نہیں۔

اوران کے اقوال اور افعال بدعت اور شرک اور انواع واقسام کی معصیتوں سے پُر ہیں ایسا ہی بیرونی حملے بھی انتہا تک پہنچ گئے ہیں اور اکثر دل تاریک پردوں میں ایسے بے حس وحرکت ہیں کہ گویا مر گئے ہیں اور وہ دین اور تقویٰ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے جس کی تعلیم صحابہ رضی اللہ عنہم کو دی گئی اور وہ صدق اور یقین اور ایمان جو اس پاک جماعت کو ملا تھا بلاشبہ اب وہ بباعث کثرت غفلت کے مفقود ہے اور شاذو نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے۔ ایسا ہی دیکھ رہا تھا کہ اسلام ایک مردہ کی حالت میں ہو رہا ہے اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ پردۂ غیب سے کوئی منجانب اللہ مجدد دین پیدا ہو بلکہ میں روز بروز اس اضطراب میں تھا کہ وقت تنگ ہوتا جاتا ہے۔ انہی دنوں یہ آواز میرے کانوں تک پہنچی کہ ایک شخص نے قادیان ملک پنجاب میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میں نے بڑی کوشش سے چند کتابیں آپ کی تالیف کردہ بہم پہنچائیں اور انصاف کی نظر سے ان پر غور کر کے پھر قرآن کریم پر ان کو عرض کیا تو قرآن شریف کو ان کے ہر ایک بیان کا مصدق پایا۔

الخ"

قادیان میں آپ قریباً تین ماہ تک مقیم رہے۔ آپ نے اس قیام کے دوران میں حضرت صاحبؑ کی معیت میں جہلم کا سفر بھی کیا۔

حضرت شہید مرحوم کے ایک قریبی رفیق احمد نور صاحب کا بیان ہے کہ:

"انہیں قادیان میں بار بار یہ الہام ہوا کہ اس راہ میں اپنا سر دیدے اور دریغ نہ کر کہ خدا نے کابل کی زمین کے لیے یہی چاہا ہے"۔ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا مجھے الہام ہوتا ہے کہ "آسمان شور کر رہا ہے اور زمین اس شخص کیطرح کانپ رہی ہے جو تپ لرزہ میں گرفتار ہو۔ دنیا اس کو نہیں جانتی - یہ

امر ہونے والا ہے"۔ آپ اس اشارہ غیبی سے سمجھ گئے کہ میرے لیے آسمان پر شہادت مقدر ہو چکی ہے اس لئے آپ نے قادیان سے افغانستان واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔"

قادیان سے رخصت ہونے کا دردانگیز منظر:

قرآن کریم نے شعراء کے متعلق فرمایا ہے:۔

"اِنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ۝"

کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی اس سرگردانی کے عالم میں ان کی زبان سے بھی ایسے الفاظ شعر کی صورت میں نکل جاتے ہیں جو کسی آنے والی حقیقت کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ ایسا ہی ایک شعر فیض احمد فیض کا بھی ہے جس کا یہاں نقل کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کیونکہ اس میں بھی ایسی ہی ایک حقیقت کی طرف اشارہ نظر آتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے: ؎

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

اللہ تعالیٰ کے کوچہ گردمقربین کو ظاہر بین ہوس پرستوں کے ہاتھوں ہمیشہ سوئے دار جانا پڑا ہے: ع

ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں

حضرت صاحبزادہ صاحبؓ جب حضرت مسیح موعودؑ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت اقدس مشایعت کے طور پر قادیان سے باہر دور تک ان کے ساتھ تشریف لے گئے جب جدا ہونے لگے تو صاحبزادہ عبداللطیفؓ پر سخت رقت طاری ہوئی اور بے اختیار حضرت اقدس کے قدموں پر گر گئے۔ حضرت اقدس کبھی کسی کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ کوئی شخص آپ کے پیروں یا گھٹنوں کو تعظیماً ہاتھ لگائے۔ ایک دفعہ ایک سرحدی نوجوان آپ کے قدموں پر جھکا تو آپ نے فوراً روک دیا اور فرمایا کہ "خدا کے فرستادے دنیا سے تبرک

مٹانے آتے ہیں نہ کہ اپنے آپ کو سجدہ کروانے ۔" (سبحان اللہ) جب صاحبزادہ عبداللطیف صاحب رقت سے بیقرار ہو کر آپ کے قدموں پر گرے تو ایک دفعہ آپ بھی بیقرار ہو گئے اور مشکل سے اپنی طبیعت کو ضبط کیا اور پھر انہیں اٹھنے کے لیے فرمایا لیکن وہ بدستور اسی طرح پڑے رہے تو آپ نے فرمایا الامر فوق الادب تو صاحبزادہ صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ " میری بیقراری اور بیتابی کی وجہ یہ ہے کہ میرے دل کو یقین ہے کہ اس زندگی میں میں پھر آپ کو نہیں دیکھوں گا ۔ یہ آپ کا اب آخری دیدار ہے جو میں کر رہا ہوں ۔" (مجدد اعظم حصہ دوم ص ۹۴۱)

اس طرح بچشم گریاں آپ قادیان سے رخصت ہوئے ۔

حضرت صاحب نے راستے کے لیے کھانا تیار کرایا تھا جب کھانا لایا گیا تو وہ ایک کاغذ میں لپٹا ہوا تھا ۔ کہتے ہیں یہ دیکھ کر حضرت صاحب نے فرمایا کہ کسی صاف کپڑے میں لپیٹ کر لانا چاہیئے تھا اور پھر اپنی پگڑی کا شملہ پھاڑ کر دیا کہ اس میں لپیٹیں اللہ تعالےٰ کے ماموروں کے دل میں اپنے ماننے والے مخلصین کیلئے کتنا پیار اور لحاظ ہوتا ہے ۔ وہ عام پیروں کی طرح نہیں ہوتے کہ اپنی نفس پرستیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنے مریدوں سے پردوں میں چھپ کر رہیں ۔ اسی شان ماموریت کے سامنے اہل دل دنظر ان کے قدموں میں جھک جانے اور اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں ۔

واپسی پر لاہور میں قیام اور آپکی کشفی نظر کا ایک واقعہ

راستے میں آپ نے شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم کے ہاں قیام فرمایا ۔ وہاں لاہور کے ایک بہت بڑے رئیس نے صاحبزادہ صاحب اور ان کے رفقاء کی دعوت کی ۔ ان رئیس نے ایک بڑے کمرہ میں ایک دستر خوان پر کھانا چن دیا ہوا تھا جب یہ مہمان اس کمرے میں داخل ہو کر دستر خوان پر بیٹھے تو صاحبزادہ عبداللطیف صاحب یک

بیٹھ کر چلا پڑے اور منہ سے کہتے جاتے تھے" گو، گو۔ گو" جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا معاملہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہر رکابی میں کھانے کی بجائے پاخانہ رکھا ہوا ہے میں نہیں کھا سکتا۔ جب بات کھلی تو معلوم ہوا کہ میزبان نے وہ کھانا سودی رقم سے تیار کرایا تھا۔ یہاں یہ دیکھ کر صاحبزادہ صاحب کی کشفی نظر کے بے حد قائل ہو گئے "

(مجدد اعظم صفحہ ۹۴۲)

لاہور سے افغانستان کے لیے روانگی

"براہین احمدیہ" حصہ چہارم کی پہلی فصل کے صفحہ ۵۱۱ پر حضرت صاحب کا یہ الہام درج ہے "شاتان تذبحان وکل من علیہا فان" دو بکریاں ذبح کی جائیں گی اور زمین پر کوئی ایسا نہیں جو مرنے سے بچ جائے گا یعنی ہر ایک کیلئے قضا و قدر درپیش ہے اور موت سے کسی کو خلاصی نہیں۔ اس سے ذرا آگے آپ نے فارسی کا یہ شعر لکھا ہے ؎

ہمیں مرگ است کز یاراں ہو شد روئے یاراں را
بیکدم مے کند ذوقِ خزاں فصل بہاراں را

یہی موت ہے جو یاروں کے چہرے یاروں سے چھپا دیتی ہے اور فصل بہار کو یکدم فصل خزاں میں بدل دیتی ہے۔

اللہ تعالے نے اپنے ماموروں کو ایک رنگ کا دوربین عطا کی ہوتی ہے جس کی روشنی سے وہ آنے والے واقعات کو وہاں تک دیکھ لیتے ہیں جہاں تک سگ دنیا کے پرستاروں کی نظر نہیں دیکھ سکتی۔ اس الہام میں بھی آپ کو یہی اطلاع دی گئی تھی کہ آپ کے دو بےگناہ اور معصوم مریدوں کو ذبح کیا جائے گا۔ ذبح کے لفظ میں اس جبر و استبداد، ظلم و ستم، درندگی اور بہیمیت کی طرف اشارہ ہے جو صاحب اقتدار اپنے اقتدار کے استحکام اور تحفظ کی خاطر حق و صداقت کی آواز بلند کرنیوالے معصوم انسانوں پر روا رکھتے اور انہیں تبلیغ کے لیے خاموش کر دینے کے درپے ہوتے

ہیں۔ وہ عارضی اقتدار کے نشہ میں مست یہ نہیں جانتے کہ یہ اللہ والے حق کی خاطر اپنی جان۔ مال و دولت، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی محبت اور تعلقات کو قربان کر کے سنگسار ہونے اور سرِ دار لٹک جانے کے لیے تو تیار ہو جاتے ہیں لیکن حق کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑنے کے لیے کسی قیمت پر راضی نہیں ہوتے۔ وہ اس موت میں اپنی زندگی سمجھتے ہیں۔ حضرت صاحبؑ فرماتے ہیں: ؎

زیرِ ایں موت است پنہاں صد حیات

زندگی خواہی بخور جامِ ممات

اس موت کے نیچے سینکڑوں زندگیاں پوشیدہ ہیں۔ اگر زندگی چاہتے ہو تو موت کا پیالہ منہ سے لگا لو۔ وہ اپنے مولیٰ سے ملنے کے لئے مضطرب و بے چین ہوتے ہیں ان کے خون کے قطرے سے جنت کے پھولوں کی خوشبو آتی ہے جو ساری فضا کو معطر کر دیتی ہے لیکن ان کے بعد ظالم اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے دنیا کے لیے عبرت کا نشان بن جاتا ہے۔ یہ "ردیہ، زار و نزار" اللہ کے شیروں پر ہاتھ ڈال کر دنیا سے اس طرح نیست و نابود ہو جاتا ہے کہ اس کا نام لینا بھی توہین سمجھی جاتی ہے۔ یہی نہیں اس کی نسلیں تک ختم ہو جاتی ہیں اور وہ قرآن کریم کے الفاظ میں "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَر" کا مصداق بن جاتا ہے۔

حضرت صاحب کے اس الہام کا ایک حصہ تو مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم کی شہادت سے پورا ہوا اور اس کا دوسرا حصہ پورا کرنے کے لیے حضرت صاحبزادہ عبداللطیف جذبہ شوق شہادت دل میں لیے کشاں کشاں افغانستان میں اپنے مقتل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حضرت امام حسین رضؓ کی روایت کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسمت میں لکھ دیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ:

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

شاید حضرت صاحب کو بھی یہ نظر آرہا تھا اسی لیے آپ نے فرمایا تھا:

سیر کربلائیست ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

میرے دکھ اور درد کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ میں تو ہر لمحہ ایک حسین کو اسلام کی سچائی کی خاطر کسی نہ کسی یزید کے ہاتھوں شہید ہوتا دیکھتا ہوں اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ ہر دور میں چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی ستیزہ کار رہا ہے اور ہر دور میں سانحہ کربلا دہرایا جاتا رہا ہے۔ یہ زمانہ بھی خالی نہیں جاسکتا تھا۔ بولہب کفر وضلالت اور عداوت دشمنی کی علامت ہے۔ ہر زمانے میں یہ علامت کسی نہ کسی روپ میں ظاہر ہوکر شمع رسالت کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی مذموم کوشش میں مصروف رہی ہے مگر اس شمع کے پروانے اس پر قربان ہو ہو کر اسے روشن رکھتے رہے ہیں اور یہ بولہبی علامت ناکام ونامراد ہوکر تباہ وبرباد ہوتی رہی ہے۔

حضرت صاحب کے فیضانِ نظر نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے دل کو اس نور یقین سے روشن کر دیا تھا کہ احمدیت ہی وہ حقیقی اسلام ہے جو مردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونک سکتا اور اسلام کی صدر اول کی شان وشوکت کو دوبارہ واپس لاسکتا ہے اس اسلام کو زندہ کرنے کے لیے مجھے کربلا کے سانحہ کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے دہرانا ہوگا اور حضرت امام حسین رضؓ کی روایت کو زندہ کرنا ہوگا۔ اسی لیے افغانستان کی طرف جاتے ہوئے وہ راستہ میں بار بار اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ "کابل کی زمین اپنی اصلاح کے لیے میرے خون کی محتاج ہے۔"

آپ کی گرفتاری اور شہادت کے واقعات ، (۱) آپکے قریبی ذرائع کا بیان۔

آپ کے قریبی ذرائع کا بیان ہے کہ جب آپ واپس اپنے گاؤں سیدگاہ پہنچے تو لوگوں نے بڑے اشتیاق سے آپ سے دریافت کیا کہ دادا آپ نے مسیح موعودؑ کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا حضرت مسیح موعودؑ بڑے بلند پایہ اور عظیم روحانی شخصیت

ہیں۔ میرا پہلے اپنے متعلق یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مجھے بھی کچھ حصہ ملا ہے مگر جب میں نے مسیح موعودؑ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کی معرفت الٰہی کی کوئی انتہا نہیں اور میں نہیں سمجھ سکا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے کتنے قریب ہیں اور ان کی روحانیت کا مقام کیا ہے؟

سید گاہ پہنچنے کے دو تین دن بعد ہی آپ نے بڑے زور وشور سے احمدیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ دن رات اور اٹھتے بیٹھتے آپ کا یہی شغل تھا۔ آپ جہاں کہیں بھی ہوتے خدا اور رسولؐ کی باتیں لوگوں تک پہنچاتے۔ اس جنون کی حد تک جوش و خروش سے احمدیت کی تبلیغ کا یہ نتیجہ ہوا کہ عوام میں بھی اس کی قبولیت کا شوق پیدا ہونے لگا اور وہ جوق در جوق سید گاہ آپ کا وعظ سننے کے لیے آنے لگے وہ آپ کی صداقت پر مبنی دلائل سننے کے بعد بلا حیل وحجت احمدیت قبول کر لیتے۔ افغانستان میں علاقہ خوست اور اس کے گرد و نواح میں چار بڑے قبیلے منگال۔ جدران۔ غلجئے اور زنانی آباد ہیں جن میں سے زنانی قبیلہ کے لوگ سید گاہ کے آس پاس آباد تھے اس لیے اس قبیلہ کے اکثر لوگوں نے احمدیت قبول کر لی۔

جب احمدیت کی تبلیغ اور قبولیت کا زیادہ چرچا ہوا تو افغانستان کے ملاؤں کو بڑی تشویش لاحق ہوئی۔ انہوں نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے خلاف امیر حبیب اللہ خان کے کان بھرنا شروع کیے کہ قادیان (پنجاب) کے ایک شخص مرزا غلام احمد نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور صاحبزادہ صاحب اس کے عقائد کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ امیر حبیب اللہ نے ملاؤں کی غلط سلط رپورٹوں سے متاثر ہو کر آپ کو اپنے دربار میں بلا کر فہمائش کی کہ آپ اپنے گھر کے حجرہ میں جو کچھ بھی کہتے یا کرتے ہیں کریں لیکن باہر مسجدوں میں عوام کے سامنے کچھ بیان نہ کریں مجھے آپ کے احمدی ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن آپ اس کی تبلیغ سے باز رہیں۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں حق کی تبلیغ سے نہیں رک سکتا۔ خواہ

اس کے لیے مجھے کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ چنانچہ آپ نے اپنی تبلیغ کا سلسلہ بدستور جاری رکھا۔

انہی دنوں شہید مرحوم نے ایک دن اپنے مہمان خانے میں موجود اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں چند دن کا مہمان ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا میں کفن میں ملبوس ہوں اور میرا جنازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گھر سے جا رہا ہے۔ مجھے آپ لوگ غور سے دیکھا کریں۔ آپ کے اہلِ خانہ کبھی اس قسم کی باتیں سن کر بہت پریشان ہوئے ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شہادت تو ہر وقت مل سکتی ہے لیکن ہم ایسی شہادت کے متمنی ہیں جو پلاؤ کھاتے ہوئے مل جائے۔

ان الفاظ سے آپ کا مطلب غالباً یہ تھا کہ ہم کسمپرسی کی حالت میں نہیں بلکہ تنعم اور آرام و آسائش کی حالت میں اپنے رب کے حضور اپنی جان پیش کرنا چاہتے ہیں جس حالت میں دنیا کے بندے دنیا کی زندگی سے چمٹے رہنا ہی پسند کرتے ہیں۔

جب امیر حبیب اللہ کو ملاؤں کے دباؤ اور اصرار کے تحت اپنا اقتدار خطرے میں نظر آیا، تو ایک دن اس نے آپ کی گرفتاری کے لیے ایک شبیہ کمانڈر کے ماتحت چالیس سواروں پر مشتمل دستہ سید گاہ بھیج دیا۔ کمانڈر نے امیر کی طرف سے آپ کی گرفتاری کا حکم نامہ آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے اپنے گھر والوں سے رخصت ہونے کیلئے اندر جانے کی اجازت مانگی مگر آپ کو اجازت نہ ملی۔ اس پر آپ نے اپنے بڑے بیٹے سے کہا کہ اندر سے میرا قرآن شریف اور عصا لے آؤ۔ اس کے بعد آپ اپنی منزل کی طرف دستہ کے ساتھ چل پڑے۔ اس وقت آپ کے گھر کے کسی انسان کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ ان سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو کر اپنے مولیٰ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔

دستہ کے کمانڈر کو امیر کی طرف سے یہ حکم تھا کہ آپ کو سخت نگرانی میں پیدل لایا جائے

جب دستہ کے نسیعہ کمانڈر کو یہ معلوم ہوا کہ آپ سید ہیں اور بہت بڑے عالم فاضل اور متقی انسان ہیں تو وہ بہت متاثر ہوا اور بڑی عزت وتکریم سے پیش آیا۔ راستے میں بارہا سواری کے لیے آپ کو اپنا گھوڑا پیش کیا مگر آپ نے ہر بار یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں ایک قیدی کی حیثیت میں گھوڑے پر سوار ہو کر جانا نہیں چاہتا۔ یہ جواب سن کر وہ کمانڈر خود اپنے گھوڑے سے اتر کر آپ کے ساتھ پیدل چل پڑا۔ رات کو جہاں کہیں قیام ہوتا وہ صاحبزادہ صاحب کے آرام کا بہت خیال رکھتا۔

ایسا بھی ہوا کہ دستے کے افسر نے راستے میں کئی بار آپ کو اپنا گھوڑا پیش کرتے ہوئے افغانستان سے انگریزی علاقے کی طرف فرار ہو جانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ مجھے آپ کی جان بچانے کی خاطر جو سنگین سے سنگین سزا بھی بھگتنی پڑی میں اس کے لیے ہر طرح تیار ہوں۔ اپنی فکر نہیں آپ کی زندگی تو بچ جائے گی۔ اس نے بہت منت سماجت کی لیکن شہید مرحوم نے اسے یہی جواب دیا میں حق کی خاطر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اپنی جان بچانے کے لیے فرار کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں اپنی خوشی اور مرضی سے آپ کے ساتھ جا رہا ہوں ورنہ آپ زبردستی مجھے نہیں لے جا سکتے۔ اعتبار نہ ہو تو آزمائش کر لیں۔

دستے کے افسر کا کہنا تھا کہ ایک مقام پر آپ نے ہمیں اپنے اردگرد سپاہیوں کا گھیرا خوب تنگ کر لینے کو کہا اور خود ہمارے درمیان میں پیدل روانہ ہو گئے۔ ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی لیکن اس وقت ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ صاحبزادہ صاحب ہمارے گھیرے میں سے نکل کر کہیں غائب ہو گئے ہیں۔ ہم بہت پریشان ہوئے مگر تھوڑی دیر بعد ہمیں بہت دور سے ایک دھیمی سی آواز سنائی دی اور ہماری جان میں جان آئی۔ ہم نے آپ سے بہت معافی مانگی اور پھر آپ سے درخواست کی کہ آپ سرحد عبور کر جائیں کیونکہ ہم سب آپ کی بزرگی کے قائل ہو گئے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ آپ کو کوئی زک پہنچے۔ لیکن آپ نے پھر یہی جواب دیا کہ حق کی راہ میں پیٹھ

دکھانا بزدلی ہے۔

یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندے اپنی دنیا کے بندوں کے درمیان چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن دنیا والوں کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوتے ہیں اس لیے وہ نہ انہیں دیکھ سکتے اور نہ شناخت کر سکتے ہیں۔

سید گاہ سے کابل تک کا تقریباً ۲۵۰ میل کا فاصلہ آپ نے دستے کے ساتھ پیدل طے کیا۔

کابل میں آپ پر کیا گزری؟

کابل پہنچنے پر آپ کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ امیر کے حکم پر آپ کو جب اس کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے پھر آپ کو احمدیت کی تبلیغ نہ کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے پھر بھی یہی جواب دیا کہ مجھے اس زمانہ کے امام اور مسیح موعود کا حکم ہے کہ میں نے جو حق پایا ہے اس کا پیغام لوگوں تک پہنچاؤں۔ امیر کے بار بار اصرار پر آپ نے بھی بار بار یہی جواب دیا کہ میں حق کا پیغام پہنچانے سے کیونکر باز آ سکتا ہوں؟

جب اور کوئی صورت نظر نہ آئی تو امیر نے ملاؤں کی تجویز پر آپ کے ساتھ اس مسئلہ پر مباحثہ کا حکم دیا۔ حضرت شہید مرحوم نے فرمایا کہ مباحثہ عوام کے سامنے تقریری ہو گا۔ لیکن ملاّ اس طرح حق کے واضح ہو جانے کے خوف سے تقریری مباحثہ سے کتراتے اور تحریری مباحثہ پر زور دیتے رہے تاکہ عوام کو معلوم نہ ہو سکے کہ دونوں طرف سے کیا سوال و جواب ہوئے اور کیا کیا دلائل دیئے گئے۔ امیر کابل چونکہ عوام پر ملاؤں کے زبردست اثر کی وجہ سے خائف تھا اس لیئے اس نے بھی تحریری مباحثہ کا حکم دیدیا۔ تحریری مباحثہ شروع ہوا لیکن آخر کار جب ملاؤں سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو حق کو باطل پر غالب آتے دیکھ کر انہوں نے اپنے ترکش سے آخری تیر نکالا اور آپ پر کافر اور مرتد ہونے کا فتویٰ لگا دیا۔ جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ اور آج بھی ہو رہا ہے۔ اس فیصلہ کے سامنے امیر بھی مجبور ہو گیا۔ اس نے پھر حضرت شہید مرحوم سے کہا کہ مجھے اپنی حکومت

میں آپ جیسے متقی عالم فاضل اور خدا رسیدہ انسان کی موجودگی پہ فخر ہے ۔ آپ میرے دربار کے ایک بیش قیمت موتی ہیں ۔ آپ مرزا قادیانی کا انکار کر دیں اور اسکی تبلیغ سے باز آجائیں ۔ اس پر آپ نے پھر فرمایا کہ میں نے جو حق پالیا ہے اس سے انکار نہیں کر سکتا ۔ اور میں اس کی ہر قیمت پر اور اپنی زندگی کے آخری دم تک تبلیغ کرتا رہوں گا ۔ آپ کا یہ جواب سن کر امیر غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا ۔ اور کہا اسے میرے سامنے سے دور کر دو ۔ چنانچہ آپ کو جیل کی اندھیری کوٹھڑی میں ڈال کر طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں دی گئیں ۔ گلے میں بھاری زنجیر پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں ۔ اس کوٹھڑی پر پہرہ دینے والے بتاتے تھے کہ کوٹھڑی میں ہر وقت روشنی ہوتی تھی ۔ زنجیریں ایک طرف پڑی ہوتی تھیں اور صاحبزادہ صاحب اپنی عبادت میں مشغول ہوتے تھے واللہ اعلم بالصواب ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر طوق و سلاسل پہننے والوں کے یہ بوجھ وہ اپنے فرشتوں کے ذریعے آپ اتروا دیتا ہے ۔ اور فرماتا ہے وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ ہم اپنے چاہنے والوں کو وہ نور اور روشنی عطا کرتے ہیں جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اندھیروں میں ٹھوکریں کھانے والے اس راز کو کیا جانیں ۔

۲ ۔ تذکرۃ الشہادتین سے آپ کی گرفتاری سے شہادت تک کے واقعات سے متعلق اقتباسات :

حضرت صاحبؑ فرماتے ہیں :۔

" ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مولوی صاحب خوست علاقہ کابل سے قادیان میں آکر کئی مہینہ میرے پاس اور میری صحبت میں رہے ۔ پھر بعد اس کے جب آسمان پر یہ امر قطعی فیصلہ پا چکا کہ وہ درجہ شہادت پاویں تو اس کے لئے یہ تقریب پیدا ہوئی کہ وہ مجھ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف واپس تشریف لے گئے ۔ اب جیسا کہ معتبر ذرائع سے اور خاص دیکھنے والوں کی معرفت

مجھے معلوم ہوا ہے قضاء وقدر سے یہ صورت پیش آئی۔ کہ مولوی صاحب جب سرزمین علاقہ ریاست کابل کے نزدیک پہنچے تو علاقہ انگریزی میں ٹھہر کر برگیڈیر محمد حسین کو توال کو جو ان کا شاگرد تھا ایک خط لکھا کہ اگر آپ امیر صاحب سے میرے آنے کی اجازت حاصل کر کے مجھے اطلاع دیں تو امیر صاحب کے پاس بمقام کابل میں حاضر ہو جاؤں۔ بلا اجازت اس لیے تشریف نہ لے گئے کہ وقت سفر امیر صاحب کو یہ اطلاع دی تھی کہ میں حج کو جاتا ہوں مگر وہ ارادہ قادیان میں بہت دیر تک ٹھہرنے سے پورا نہ ہو سکا اور وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ سو انہوں نے مناسب سمجھا کہ برگیڈیر محمد حسین کو خط لکھا جائے تا وہ مناسب موقعہ پر اصل حقیقت مناسب لفظوں میں امیر کے گوش گذار کر دیں اور اس خط میں یہ لکھا کہ اگرچہ میں حج کے لیے روانہ ہوا تھا مگر مسیح موعود کی مجھے زیارت ہو گئی اور چونکہ مسیح کے ملنے کے لیے اور اس کی اطاعت مقدم رکھنے کے لیے خدا اور رسولؐ کا حکم ہے اس مجبوری سے مجھے قادیان ٹھہرنا پڑا اور میں نے اپنی طرف سے یہ کام نہ کیا بلکہ قرآن اور حدیث کے رو سے اس امر کو ضروری سمجھا۔ جب یہ خط برگیڈیر محمد حسین کوتوال کو پہنچا تو اس نے وہ خط اپنے زانو کے نیچے رکھ لیا اور اس وقت پیش نہ کیا مگر اس کے نائب کو جو مخالف اور شریر آدمی تھا کسی طرح پتہ لگ گیا کہ یہ مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کا خط ہے اور وہ قادیان میں ٹھہرے رہے تب اس نے وہ خط کسی تدبیر سے نکال لیا اور امیر صاحب کے آگے پیش کر دیا۔ امیر صاحب نے برگیڈیر محمد حسین کوتوال سے دریافت کیا کہ کیا یہ خط آپ کے نام آیا ہے اس نے امیر کے موجودہ غیظ و غضب سے خوف کھا کر انکار کر دیا۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ مولوی صاحب شہید نے کئی دن پہلے خط کے جواب کا انتظار کر کے ایک اور خط بذریعہ

ڈاک محمد حسین کوتوال کو لکھا وہ افسر ڈاکخانہ نے کھول لیا اور امیر صاحب کو پہنچا دیا۔ چونکہ قضاء وقدر سے مولوی صاحب کی شہادت مقدر تھی اور آسمان پر وہ برگزیدہ بزمرۂ شہدا داخل ہو چکا تھا اس لیے امیر صاحب نے ان کے بلانے کے لیے حکمت عملی سے کام لیا اور ان کی طرف خط لکھا کہ آپ بلا خطرہ چلے آؤ۔ اگر یہ دعویٰ سچا ہوگا تو میں بھی مرید ہو جاؤں گا۔ بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ خط امیر صاحب نے ڈاک میں بھیجا تھا یا دستی روانہ کیا تھا۔

بہرحال اس خط کو دیکھ کر مولوی صاحب موصوف کابل کی طرف روانہ ہو گئے اور قضاء وقدر نے نازل ہونا شروع کر دیا۔ راویوں نے بیان کیا ہے کہ جب شہید مرحوم کابل کے بازار سے گذرے تو گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے پیچھے آٹھ سرکاری سوار تھے اور ان کی تشریف آوری سے پہلے عام طور پر کابل میں مشہور تھا کہ امیر صاحب نے اخوندزادہ صاحب کو دھوکا دے کر بلایا ہے۔ اب بعد اس کے دیکھنے والوں کا یہ بیان ہے کہ جب اخوندزادہ صاحب مرحوم بازار سے گذرے تو ہم اور دوسرے بہت سے بازاری لوگ ساتھ چلے گئے اور یہ بھی بیان کیا کہ آٹھ سرکاری سوار خوست سے ہی ان کے ہمراہ کیے گئے تھے کیونکہ ان کے خوست میں پہنچنے سے پہلے حکم سرکاری ان کے گرفتار کرنے کے لیے حاکم خوست کے نام آ چکا تھا۔ غرض جب امیر صاحب کے روبرو پیش کیے گئے تو مخالفوں نے پہلے سے ہی ان کے مزاج کو بہت کچھ متغیر کر رکھا تھا۔ اس لیے وہ بہت ظالمانہ جوش سے پیش آئے اور حکم دیا کہ مجھے ان سے بو آتی ہے ان کو فاصلہ پر کھڑا کرو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد حکم دیا کہ ان کو اس قلعہ میں جس میں خود امیر صاحب رہتے ہیں قید کر دو اور زنجیر غراغراب لگا

دور یہ زنجیر وزنی ایک من چوبیس سیر انگریزی کی ہوتی ہے۔ گردن سے کمر تک گھیر لیتی ہے اور اس میں ہتھکڑی بھی شامل ہے اور نیز حکم دیا کہ پاؤں میں بیڑی وزنی آٹھ سیر انگریزی کی لگا دو۔ پھر اس کے بعد مولوی صاحب مرحوم چار مہینہ قید میں رہے اور اس عرصہ میں کئی دفعہ ان کو امیر کی طرف سے فہمائش ہوئی کہ اگر تم اس خیال سے توبہ کرو کہ قادیانی درحقیقت مسیح موعود ہے تو تمہیں رہائی دی جائے گی مگر ہر ایک مرتبہ انہوں نے یہی جواب دیا کہ میں صاحب علم ہوں اور حق و باطل کی شناخت کرنے کی خدا نے مجھے قوت عطا کی ہے۔ میں نے پوری تحقیق سے معلوم کر لیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مسیح موعود ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میرے اس پہلو کے اختیار کرنے میں میری جان کی خیر نہیں ہے اور میرے اہل و عیال کی بربادی ہے مگر میں اس وقت اپنے ایمان کو اپنی جان اور ہر ایک دنیوی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں۔ شہید مرحوم نے نہ ایک دفعہ بلکہ قید ہونے کی حالت میں بارہا یہی جواب دیا اور یہ قید انگریزی قید کی طرح نہیں تھی جس میں انسانی کمزوری کا کچھ کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے بلکہ ایک سخت قید تھی جس کو انسان موت سے بدتر سمجھتا ہے۔ اس لیے لوگوں نے شہید موصوف کی اس استقامت اور استقلال کو نہایت تعجب سے دیکھا اور درحقیقت تعجب کا مقام تھا کہ ایسا جلیل الشان شخص جو کئی لاکھ روپے کی ریاست کابل میں جاگیر رکھتا تھا اور اپنے فضائل علمی اور تقویٰ کی وجہ سے گویا تمام سرزمین کابل کا پیشوا تھا اور قریباً پچاس برس کی عمر تک تنعم اور آرام میں زندگی بسر کی تھی اور بہت سا اہل و عیال اور عزیز اور فرزند رکھتا تھا پھر یکدفعہ وہ ایسی سنگین قید میں ڈالا گیا جو موت سے بدتر تھی اور جس کے تصور سے بھی انسان کے بدن پر لرزہ طاری پڑتا ہے ایسا

نازک اندام اور نعمتوں کا پروردہ انسان اور وہ اس روح کے گداز کرنے والی قید میں صبر کر سکے اور جان کو ایمان پر فدا کرے بالخصوص جس حالت میں کہ امیر کابل کی طرف سے بار بار ان کو پیغام پہنچتا تھا کہ اس قادیانی شخص کے تصدیق دعویٰ سے انکار کر دو تو تم ابھی عزت سے رہا کیے جاؤ گے۔ مگر اس قوی الایمان بزرگ نے اس بار بار کے وعدہ کی کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ اور بار بار یہی جواب دیا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں ایمان پر دنیا کو مقدم کر لوں اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس کو میں نے خوب شناخت کر لیا اور ہر ایک طرح سے تسلی کر لی اپنی موت کے خوف سے اس کا انکار کر دوں۔ یہ انکار تو مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نے حق پا لیا ہے اس لیے چند روزہ زندگی کے لیے مجھ سے یہ بے ایمانی نہیں ہوگی کہ ثابت شدہ حق کو چھوڑ دوں۔ میں جان چھوڑنے کے لیے تیار ہوں اور فیصلہ کر چکا ہوں مگر حق میرے ساتھ جائے گا۔

اس بزرگ کے بار بار کے یہ جواب ایسے تھے کہ سرزمین کابل کبھی ان کو فراموش نہیں کرے گی اور کابل کے لوگوں نے اپنی تمام عمر میں یہ نمونہ ایمانداری اور استقامت کا کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ اس جگہ یہ بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ کابل کے امیروں کا یہ طریق نہیں ہے کہ اس قدر بار بار وعدہ معافی دے کر ایک عقیدہ کے چھڑانے کے لیے توجہ دلائیں لیکن مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم کی یہ خاص رعایت اس وجہ سے تھی کہ وہ ریاست کابل کا گویا ایک بازو تھا اور ہزارہا انسان اس کے معتقد تھے اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں وہ امیر کابل کی نظر میں اس قدر منتخب عالم فاضل تھا کہ تمام علماء میں آفتاب کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ پس ممکن ہے کہ امیر کو بجائے خود یہ رنج بھی ہو کہ ایسا برگزیدہ انسان علماء کے اتفاق رائے سے ضرور قتل کیا جائے گا اور یہ نوٹا ہوا ہے

کہ اجیکل ایک طور سے عنان حکومت کابل کے مولویوں کے ہاتھ میں ہے اور جس بات پر مولوی لوگ اتفاق کرلیں پھر ممکن نہیں کہ امیر اس کے برخلاف کچھ کر سکے بس یہ امر قرین قیاس ہے کہ ایک طرف اس امیر کو مولویوں کا خوف تھا اور دوسری طرف شہید مرحوم کو بے گناہ دیکھتا تھا پس یہی وجہ ہے کہ وہ قید کی تمام مدت میں یہی ہدایت کرتا رہا کہ آپ اس شخص قادیانی کو مسیح موعود مت مانیں اور اس عقیدہ سے توبہ کریں تب آپ عزت سے رہا کر دیئے جائیں گے اور اسی نیت سے اس نے شہید مرحوم کو اس قلعہ میں قید کیا تھا جس قلعہ میں وہ آپ رہتا تھا تا متواتر فہمائش کا موقعہ ملتا رہے۔

جب چار مہینے قید کے گذر گئے تب امیر نے اپنے روبرو شہید مرحوم کو بلا کر پھر اپنی عام کچہری میں توبہ کے لیے فہمائش کی اور بڑے زور سے رغبت دی کہ اگر تم اب بھی مرزا قادیانی کی تصدیق اور اس کے اصولوں کی تصدیق سے میرے روبرو انکار کر دو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی اور تم عزت کے ساتھ چھوڑے جاؤ گے۔ شہید مرحوم نے جواب دیا یہ تو غیر ممکن ہے کہ میں سچائی سے توبہ کروں۔ اس دنیا کے حکام کا عذاب تو موت تک ختم ہو جاتا ہے لیکن میں اس سے ڈرتا ہوں جس کا عذاب کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ ہاں چونکہ میں سچ پر ہوں اس لیے چاہتا ہوں کہ ان مولویوں سے جو میرے عقیدہ کے مخالف ہیں میری بحث کرائی جائے۔ اگر میں دلائل کے رو سے جھوٹا نکلا تو مجھے سزا دی جائے . . . .

امیر نے اس بات کو پسند کیا اور مسجد شاہی میں خان ملا خان اور آٹھ مفتی بحث کے لیے منتخب کیے گئے اور ایک لاہوری ڈاکٹر (عبدالغنی) جو پنجابی ہونیکی وجہ سے سخت مخالف تھا بطور ثالث کے مقرر کر کے بھیجا گیا۔ بحث کے وقت مجمع کثیر تھا اور دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس بحث کے وقت موجود

تھے۔ مباحثہ تحریری تھا۔ صرف تحریر ہوتی تھی اور کوئی بات حاضرین کو سنائی نہیں جاتی تھی اس لیے اس مباحثہ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ سات بجے صبح سے تین بجے سہ پہر تک مباحثہ جاری رہا۔ پھر جب عصر کا آخری وقت ہوا تو کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور آخری بحث میں شہید مرحوم سے یہ بھی پوچھا گیا کہ اگر مسیح موعود یہی قادیانی شخص ہے تو پھر تم عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہو وہ واپس دنیا میں آئیں گے یا نہیں تو انہوں نے بڑی استقامت سے جواب دیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اب وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے۔ قرآن کریم ان کے مرنے اور واپس نہ آنے کا گواہ ہے۔ تب تو وہ لوگ ان مولویوں کی طرح جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی آیات کو سن کر اپنے کپڑے پھاڑ لیتے تھے گالیاں دینے لگے اور کہا اب اس شخص کے کفر میں کیا شک رہا اور بڑی غضب ناک حالت میں یہ کفر کا فتویٰ لکھا گیا۔ پھر بعد اس کے حضرت اخوند زادہ حضرت شہید مرحوم اسی پا بہ زنجیر ہونے کی حالت میں قید خانہ میں بھیجے گئے۔ اور اس جگہ یہ بات بیان کرنے سے رہ گئی ہے کہ جب شاہزادہ مرحوم کی ان بدقسمت مولویوں سے بحث ہو رہی تھی تب آٹھ آدمی برہنہ تلواریں لے کر شہید مرحوم کے سر پر کھڑے تھے پھر بعد اس کے وہ فتویٰ کفرات کے وقت امیر صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا اور یہ چالاکی کی گئی کہ مباحثہ کے کاغذات ان کی خدمت میں عمداً نہ بھیجے گئے اور نہ عوام پر ان کا مضمون ظاہر کیا گیا۔ یہ صاف اس بات پر دلیل تھی کہ مخالف مولوی شہید مرحوم کے ثبوت پیش کردہ کا کوئی رد نہ کر سکے۔ (کیا ستمبر ۱۹۷۴ء میں بھی تاریخ نے اسی طرح اپنے آپ کو نہیں دہرایا۔) مگر افسوس امیر پر کہ اس نے کفر کے فتویٰ پر ہی حکم لگا

دیا اور مباحثہ کے کاغذات طلب نہ کیے۔حالانکہ اس کو چاہیے تو یہ تھا کہ اس عادل حقیقی سے ڈر کر جس کی طرف عنقریب تمام دولت وحکومت کو چھوڑ کر واپس جائے گا خود مباحثہ کے وقت حاضر ہوتا۔ بالخصوص جبکہ وہ جانتا تھا کہ اس مباحثہ کا نتیجہ ایک معصوم بے گناہ کی جان ضائع کرنا ہے تو اس صورت میں مقتضا خدا ترسی کا یہی تھا کہ بہرحال افتاں وخیزاں اس مجلس میں جاتا اور نیز چاہیئے تھا کہ قبل ثبوت کسی جرم کے اس شہید مرحوم پر یہ سختی روا نہ رکھتا کہ ناحق ایک مدت تک قید کے عذاب میں ان کو رکھتا اور زنجیروں اور سخت کڑیوں کے شکنجہ میں ان کو دبایا جاتا اور آٹھ سپاہی برہنہ شمشیروں کے ساتھ اس کے سر پر کھڑے کیے جاتے اوراس طرح ایک عذاب اور رعب میں ڈال کر اس کو ثبوت دینے سے روکا جاتا تو پھر اگر اس نے ایسا نہ کیا تو عادلانہ حکم دینے کے لیے یہ تو اس کا فرض تھا کہ کاغذات مباحثہ کے اپنے حضور طلب کرتا بلکہ پہلے سے یہ تاکید کر دیتا کہ کاغذات مباحثہ کے میرے پاس بھیج دینے چاہیئں۔۔۔۔ بعد اس کے کہ فتوی کفر لگا کر شہید مرحوم قید خانہ میں بھیجا گیا۔صبح روز شنبہ کو شہید مرحوم کو سلام خانہ یعنی خاص مکان دربار امیر صاحب میں بلایا گیا اس وقت بھی بڑا مجمع تھا امیر صاحب جب ارک یعنی قلعہ سے نکلے تو راستہ میں شہید مرحوم ایک جگہ بیٹھے تھے ان کے پاس ہوکر گذرے اور پوچھا کہ اخوند زادہ صاحب کیا فیصلہ ہوا۔ شہید مرحوم کچھ نہ بولے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان لوگوں نے ظلم پر کمر باندھی ہے مگر سپاہیوں میں سے کسی نے کہا کہ ملامت ہوگیا یعنی کفر کا فتویٰ لگ گیا۔ پھر امیر صاحب اپنے اجلاس پر آئے تو اجلاس میں بیٹھتے ہی پہلے اخوند زادہ صاحب مرحوم کو بلایا اور کہا کہ آپ پر کفر کا فتویٰ لگ گیا ہے اب کہو

کیا توبہ کرو گے یا سزا پاؤ گے۔ تو انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کیا اور کہا کہ میں حق سے توبہ نہیں کر سکتا۔ کیا میں جان کے خوف سے باطل کو مان لوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ تب امیر نے دوبارہ توبہ کے لیے کہا اور توبہ کی حالت میں بہت امید دلائی اور وعدۂ معافی دیا مگر شہید موصوف نے بڑے زور سے انکار کیا اور کہا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں سچائی سے توبہ کروں ۔۔۔۔ شہید مرحوم ہر ایک فہمائش کا زور سے انکار کرتا تھا اور وہ اپنے لیے فیصلہ کر چکا تھا کہ ضرور ہے کہ میں اس راہ میں جان دوں تب اس نے یہ بھی کہا کہ میں بعد قتل چھ روز تک پھر زندہ ہو جاؤں گا۔ اس قول کے یہ معنی تھے کہ وہ زندگی جو اولیاء اور ابدال کو دی جاتی ہے چھ روز تک مجھے مل جائے گی اور قبل اس کے جو خدا کا دن آوے یعنی ساتواں دن میں زندہ ہو جاؤں گا اور یاد رہے کہ اولیاء اللہ اور وہ خاص لوگ جو خدا تعالےٰ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں وہ چند دنوں کے بعد پھر زندہ کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ" یعنی تم ان کو مردے مت خیال کرو جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں وہ تو زندہ ہیں پس شہید مرحوم کا اسی مقام کی طرف اشارہ تھا۔۔۔۔ شہید مرحوم نے مر کر میری جماعت کو ایک نمونہ دیا ہے اور درحقیقت میری جماعت ایک بڑے نمونہ کی محتاج تھی۔

شہادت گاہ کی طرف روانگی:

بجرمِ عشقِ توام می کشند و غوغائیست
تو نیز برلبِ بام بیا چہ خوش تماشائیست

تیرے عشق کے جرم میں مجھے قتل کر رہے ہیں اور ایک شور و غوغا برپا

ہے تو بھی تو اپنی چھت کے اوپر سے آ کر دیکھ لے کہ یہ کتنا خوشنما منظر ہے۔
اور حضرت صاحبؑ فرماتے ہیں: ؎

شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر
خون نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

"جب حضرت شہید مرحوم نے ہر ایک مرتبہ توبہ کرنے کی فہمائش پر توبہ کرنے سے انکار کیا تو امیر نے ان سے مایوس ہو کر اپنے ہاتھ سے ایک لمبا چوڑا کاغذ لکھا اور اس میں مولویوں کا فتویٰ درج کیا اور اس میں یہ لکھا کہ ایسے کافر کی سنگسار کرنا سزا ہے تب وہ فتویٰ اخوند زادہ صاحب مرحوم کے گلے میں لٹکا دیا گیا اور پھر امیر نے حکم دیا کہ شہید مرحوم کے ناک میں چھید کر کے اس میں رسی ڈال دی جائے اور اس رسی سے شہید مرحوم کو کھینچ کر مقتل یعنی سنگسار کرنے کی جگہ تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس ظالم امیر کے حکم سے ایسا ہی کیا گیا اور ناک کو چھید کر سخت عذاب کے ساتھ اس میں رسی ڈالی گئی تب اس رسی کے ذریعہ سے شہید مرحوم کو نہایت ٹھٹھے ہنسی، گالیوں اور لعنت کے ساتھ مقتل تک لے گئے اور امیر اپنے تمام مصاحبوں کے ساتھ اور مع قاضیوں، مفتیوں اور دیگر اہل کاروں کے یہ دردناک نظارہ دیکھتا ہوا مقتل تک پہنچا اور شہر کی ہزارہا مخلوق جن کا شمار کرنا مشکل ہے اس تماشا کے دیکھنے کے لیے گئی۔"

یہی سلوک یہودیوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی کیا تھا انہوں نے ان کے منہ پر تھوکا۔ ان کے مکے اور طمانچے مارے ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا اور سرکنڈے سے مارتے اور ہنسی مذاق اڑاتے ہوئے صلیب

تک ے گئے تھے۔

"جب مقتل پر پہنچے تو شہزادہ مرحوم کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا اور پھر اس حالت میں جبکہ وہ کمر تک زمین میں گاڑ دیئے گئے تھے امیر ان کے پاس گیا اور کہا کہ اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود کا دعویٰ کرتا ہے انکار کرے تو اب بھی میں تجھے بچا لیتا ہوں۔ اب تیرا آخری وقت ہے اور یہ آخری موقعہ ہے جو تجھے دیا جاتا ہے اور اپنی جان اور اپنے عیال پر رحم کر۔ تب شہید مرحوم نے جواب دیا کہ نعوذ باللہ سچائی سے کیوں کر انکار ہو سکتا ہے اور جان کیا حقیقت ہے اور عیال و اطفال کیا چیز ہیں جن کے لیے میں ایمان کو چھوڑ دوں مجھ سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا اور میں حق کے لیے مروں گا تب قاضیوں اور مفتیوں نے شور مچایا کہ کافر ہے کافر ہے اس کو جلد سنگسار کرو۔ اس وقت امیر اور اس کا بھائی نصراللہ خان اور قاضی اور عبدالاحد کمیدان یہ لوگ سوار تھے اور باقی تمام لوگ پیادہ تھے۔ جب ایسی نازک حالت میں شہید مرحوم نے بار بار کہدیا کہ میں ایمان کو جان پر مقدم رکھتا ہوں تب امیر نے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ کہ تم نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہ وقت ہیں آپ چلادیں۔ تب امیر نے جواب دیا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتویٰ ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ تب قاضی نے گھوڑے سے اتر کر ایک پتھر چلایا جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا اور گردن جھک گئی۔ پھر بعد اس کے بدقسمت امیر نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا۔ پھر کیا تھا اس کی پیروی سے ہزاروں پتھر اس شہید پر پڑنے لگے اور کوئی حاضرین میں سے

ایسا نہ تھا جس نے اس شہید مرحوم کی طرف پتھر نہ پھینکا ہو۔یہاں تک کہ کثرتِ پتھروں سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھا پتھروں کا جمع ہو گیا۔پھر امیر نے واپس ہونے کے وقت کہا کہ یہ شخص کہتا تھا کہ میں چھ روز تک زندہ ہو جاؤں گا اس پر چھ روز تک پہرہ رہنا چاہیئے۔یہ ظلم یعنی سنگسار کرنا ۱۴۔جولائی ۱۹۰۳ء کو وقوع میں آیا۔ شاہزادہ عبداللطیف کے لیے جو شہادت مقدر تھی وہ ہو چکی۔اب ظالم کا پاداشت باقی ہے۔۔۔۔ اے عبداللطیف تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا اور جو لوگ میری جماعت میں سے میری موت کے بعد رہیں گے میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کام کریں گے۔"

(حضرت صاحب کے یہ الفاظ ہمارے لیئے لمحہ فکریہ ہیں)

میاں احمد نور

شاگرد خاص حضرت صاحبزادہ صاحب شہید کا بیان:

میاں احمد نور صاحب حضرت صاحبزادہ صاحب کی شہادت کے بعد ۸ نومبر ۱۹۰۳ء کو مع عیال خوست سے قادیان پہنچے اور بیان کیا کہ:

"مولوی صاحب کی لاش برابر چالیس دن تک ان پتھروں میں پڑی رہی جن میں وہ سنگسار کیے گئے تھے۔بعد اس کے میں نے چند دوستوں کے ساتھ مل کر رات کے وقت ان کی نعش مبارک نکالی اور ہم پوشیدہ طور پر شہر میں لائے اور اندیشہ تھا کہ امیر اور اس کے ملازم کچھ مزاحمت کریں گے مگر شہر میں وبائے ہیضہ اس قدر پڑ چکا تھا کہ ہر ایک شخص اپنی بلا میں گرفتار تھا اس لیے ہم اطمینان سے مولوی صاحب مرحوم کا قبرستان میں جنازہ لے گئے اور جنازہ پڑھ کر وہاں دفن کر دیا۔یہ عجیب بات

ہے کہ مولوی صاحب جب پتھروں میں سے نکالے گئے تو کستوری کی طرح ان کے بدن سے خوشبو آتی تھی اس سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔

اس واقعہ سے پہلے جب کابل کے علماء امیر کے حکم سے مولوی صاحب کے ساتھ بحث کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے مولوی صاحب نے ان کو فرمایا کہ تمہارے دو خدا ہیں کیونکہ تم امیر سے ایسا ڈرتے ہو جیسا کہ خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔ مگر میرا ایک خدا ہے اس لیے میں امیر سے نہیں ڈرتا۔ اور جب گھر میں تھے اور ابھی گرفتار نہیں ہوئے تھے اور نہ اس واقعہ کی کچھ خبر تھی اپنے دونوں ہاتھوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے میرے ہاتھو! کیا تم ہتھکڑیوں کی برداشت کر لو گے۔ اپنے گھر کے لوگوں کو انہوں نے نصیحت کی کہ میں جاتا ہوں اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم دوسری راہ اختیار کرو جس ایمان اور عقیدہ پر میں ہوں چاہیئے کہ وہی تمہارا ایمان اور عقیدہ ہو۔ گرفتاری کے بعد راہ میں چلتے وقت کہا کہ میں اس مجمع کا نوشاہ ہوں۔ بحث کے وقت علماء نے پوچھا کہ تو اس قادیانی شخص کے حق میں کیا کہتا ہے جو مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے تو مولوی صاحب نے جواب دیا۔

”ہم نے اس شخص کو دیکھا ہے اور اس کے امور میں بہت غور کی ہے اس کی مانند زمین پر کوئی موجود نہیں اور بے شک اور بلاشبہ وہ مسیح موعود ہے اور وہ مردوں کو زندہ کر رہا ہے۔“

تب ملاؤں نے شور کر کے کہا کہ وہ کافر اور تو بھی کافر ہے اور ان کو امیر کی طرف سے بحالت نہ توبہ کرنے کے سنگسار کرنے کی دھمکی دی گئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب میں مروں گا تب یہ آیت پڑھی ”رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ“۔ یعنی اے خدا ہمارے دل کو لغزش سے بچا اور اس کے بعد جو تو نے ہدایت دی ہمیں پھسلنے سے محفوظ رکھ اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عنایت کر کیونکہ ہر ایک رحمت تو ہی بخشتا ہے تو پھر جب ان کو سنگسار

کرنے لگے تو یہ آیت پڑھی

اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ ” یعنی اے میرے خدا تو دنیا اور آخرت میں میرا متولی ہے مجھے اسلام پہ وفات دے اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دے۔ پھر بعد اس کے پتھر چلائے گئے اور حضرت مرحوم کو شہید کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔“

حضرت شہید مرحوم کی تدفین کے متعلق آپکے قریبی عزیزوں کی روایت

حضرت شہید مرحوم کا جسد مبارک چند دن تک پتھروں کے ایک بڑے ڈھیر میں رہا۔ جب شور وغوغا ذرا تھم گیا تو ایک شیعہ حوالدار بادشاہ خان منگال اور آپ کے ایک شاگرد میاں احمد نور نے پہرہ داروں کی مدد سے آپ کا جسم مبارک وہاں سے نکالا اور شہر کے مضافات میں ایک طرف رکھا اور تابوت میں رکھ کر خوست لانے کی کوشش کی۔ جب سید گاہ کے قریب پہنچے تو آپ کے ایک مرید ملا میرو نے اپنی پیٹھ پر اٹھا کر گاؤں میں پہنچایا اور دو دنوں کے بعد اپنے قبرستان غنڈئی میں دفنایا گیا۔ لوگوں کی اتنی کثیر تعداد روزانہ تعزیت اور دعائے مغفرت کے لیے آتی کہ آپ کے خاندان والوں کے لیے ان کے طعام وقیام کا انتظام کرنا مشکل ہو جاتا۔

امیر حبیب اللہ کو جب یہ اطلاع ہوئی کہ آپ کو شہادت گاہ سے لے جا کر سید گاہ دفن کر دیا ہے اور لوگ بڑی کثرت سے وہاں تعزیت کے لیے آتے ہیں تو اسے یہ خوف لاحق ہوا کہ اگر ان کے مریدوں اور متبعین کو ذرا سا بھی اشارہ کیا گیا تو وہ حکومت کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور امیر حبیب اللہ کا تختہ الٹ دیں گے۔ کہتے ہیں کہ اس ڈر اور خوف کی وجہ سے آپ کے تابوت کو خفیہ طور پر وہاں سے نکال کر سید گاہ کے جنوب میں واقع متون کی پہاڑیوں میں ایک نامعلوم جگہ پہ دفنایا گیا۔ وہاں کے لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ رات کے وقت متون کی پہاڑیوں سے روشنیاں نظر آتی تھیں جو آسمان کی طرف سے زمین پر

آتی دکھائی دیتی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو کابل کے ایک قلعے میں دفنایا گیا تھا۔ سیدگاہ میں جہاں آپ کو دفن کیا گیا تھا وہاں نشان کے لیے ایک بہت بڑا پتھر رکھا گیا تھا۔ جو آپ کے خاندان کی جلاوطنی کے سولہ سال بعد بھی وہیں پڑا ہوا تھا۔

کہتے ہیں کہ بادشاہ خان منگال نے جب شہید مرحوم کے جسم کو پتھروں کے ڈھیر سے نکالا تو وہاں سے اتنی خوشبو آئی کہ سارا گردونواح معطر ہوگیا جسے دیکھ کر لوگ حیرت زدہ ہو گئے۔ بادشاہ خان کی کلائی پر بیضوی رنگ کا ایک سرخ نشان بھی لگ گیا تھا جس سے بھی بڑی خوشبو آتی تھی ہر وقت وہ اپنی آستین کو لمبا کر کے اس نشان کو چھپائے رکھتا تھا لیکن ایک دفعہ جب وہ سیدگاہ آیا تو اس نے وہ نشان صاحبزادہ محمد سعید صاحب کو دکھایا جس کے بعد وہ نشان غائب ہوگیا۔ اس سے پہلے اس نے بارہا دھو کر اس نشان کو مٹانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مٹ سکا۔ اس نشان کے مٹ جانے کے بعد بادشاہ خان بہت غمگین اور افسردہ رہتا تھا کہ اس نے یہ نشان صاحبزادہ محمد سعید کو کیوں دکھایا کیونکہ وہ اپنے اور دوسرے لوگوں کے لیے اسے ایک معجزہ اور قدرت کا کرشمہ سمجھتا تھا۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کی شہادت پر حضرت مسیح موعود کے دلی تاثرات :

حضرت مسیح موعود نے حضرت صاحبزادہ صاحب کی شہادت کے دردناک حالت و واقعات پر نہایت دکھ کے ساتھ فرمایا :

"کابل کی زمین دیکھ لے گی کہ یہ خون کیسے کیسے پھل لائے گا۔ یہ خون کبھی ضائع نہیں جائے گا۔ پہلے اس سے غریب عبدالرحمٰن میری جماعت کا ظلم سے مارا گیا۔ اور خدا چپ رہا۔ مگر اس خون پر وہ اب چپ نہیں رہے گا اور بڑے بڑے نتائج ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ سنا گیا ہے کہ جب شہید مرحوم کو ہزاروں پتھروں سے قتل کیا گیا تو انہی دنوں میں سخت ہیضہ کابل میں پھوٹ پڑا اور بڑے بڑے

ریاست کے نامی اس کا شکار ہو گئے۔ نصراللہ خان حقیقی بھائی امیر حبیب اللہ خان کا جو اصل سبب اس خونریزی کا تھا اس کے گھر میں ہیضہ پھوٹا اور اس کی بیوی اور بچہ فوت ہو گیا اور چار سو کے قریب ہر روز آدمی مرتا تھا اور شہادت کی رات آسمان سرخ ہو گیا۔ مگر ابھی کیا ہے یہ خون بڑی بے رحمی کے ساتھ کیا گیا ہے اور آسمان کے نیچے ایسے خون کی اس زمانہ میں نظیر نہیں ملے گی۔ ہائے اس نادان امیر نے کیا کیا کہ ایسے معصوم شخص کو کمال بے دردی سے قتل کر کے اپنے تئیں تباہ کر لیا۔ اے کابل کی زمین تو گواہ رہ کہ تیرے پر سخت جرم کا ارتکاب کیا گیا اے بد قسمت زمین تو خدا کی نظر سے گر گئی کہ تو اس ظلم عظیم کی جگہ ہے۔"

کابل کے متعلق حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی
اور ظالم کے پاداش کے متعلق تاریخی واقعات

زآہِ زمرۂ ابدال باید ترسید
علی الخصوص اگر آہ میرزا باشد

گروہ ابدال کے دل سے نکلی ہوئی آہ سے ڈرو خاص کر جب یہ آہ میرزا کے دکھی دل سے نکلی ہو کیونکہ اس آہ اور اللہ تعالےٰ کے درمیان کوئی پردے حائل نہیں ہوتے حضرت مسیح موعود کی ایک پیشگوئی تھی کہ " ریاست کابل میں قریب پچاسی ہزار آدمی مریں گے۔" ہیضہ سے انہی دنوں جو تباہی مچی اس کا بیان اوپر ہو چکا ہے ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ خان اپنے بھائی نصراللہ خان کی سازش سے قتل ہوا۔ اس کے بعد نصراللہ خان خود جیل میں ڈالا گیا اور وہیں قتل کر دیا گیا۔ وہ قاضی مفتی اور مُلّا بھی جنہوں نے شہید مرحوم پر کفر کا فتویٰ لگا کر آپ کو سنگسار کرایا ذلیل و خوار ہو کر تباہ و برباد ہوئے کہ ان کا نشان تک مٹ گیا۔ اور ان پہ ماتم کرنے والا کوئی نہ بچا۔

حبیب اللہ خان کے بعد اس کا بیٹا امان اللہ خان تخت نشین ہوا۔ امان اللہ خان افغانستان کو انگریزی اثر و رسوخ سے آزاد کرانے کی پالیسی پر چل رہا تھا جو انگریزوں

کو ناپسند تھی اس لیئے انہوں نے بچہ سقہ کے ساتھ مل کر امان اللہ خان کے خلاف بغاوت کرادی جس میں دونوں طرف سے ہزاروں آدمی مارے گئے اور امان اللہ خان کو بھاگ کر اٹلی میں پناہ لینی پڑی۔ حکومت اس خاندان سے نکل کر جنرل نادر خان کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ جو بعد میں نادر شاہ کے نام سے کابل پر حکومت کرتا رہا۔ اس کے متعلق بھی حضرت صاحب کی یہ پیشگوئی تھی۔" آہ نادر شاہ کہاں گیا۔" وہ ایک تقریب میں ایک طالب علم کے ہاتھوں قتل ہوا۔ نادر شاہ کے

بعد اس کا بیٹا ظاہر شاہ تخت نشین ہوا اور وہ آج بھی جلا وطنی کی زندگی گذار رہا ہے ڈاکٹر عبد الغنی جو مباحثہ میں ثالث بنایا گیا تھا اس پر حکومت کابل کے خلاف انگریزوں کے لیئے جاسوسی کرنے اور سازش کا الزام لگا اور قید خانہ میں ڈالا گیا جہاں وہ ایک مدت تک قید خانہ کی اذیتیں سہتا رہا۔ روسی فوجوں کی مداخلت کے بعد افغانستان میں جو خانہ جنگی گذشتہ دس بارہ سالوں سے جاری ہے اس میں اب تک لاکھوں انسان ہلاک ہو چکے ہیں اور تقریبًا ۴۰ لاکھ جلا وطن ہو کر ایران اور پاکستان وغیرہ میں رہ رہے ہیں۔ اس خانہ جنگی کے ختم ہونے کے ابھی تک کوئی نمایاں آثار دکھائی نہیں دیتے۔ دونوں جانب سے افغان مارے جا رہے ہیں معلوم نہیں کابل کی بد قسمت سرزمین جو اس معصوم کے قتل کے بعد خدا کی نظر سے گر گئی ہے کب تک اس جرم کے ارتکاب کا خمیازہ بھگتتی رہے گی۔ اس پر" عزیز ذوا انتقام" کا غضب ابھی تک نازل ہو رہا ہے۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس کا اثر بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر افغانستان کے قرب وجوار پر بھی پڑ رہا ہے۔ آخر کیا اس میں دیکھنے والوں کے لیئے کوئی نشان نہیں۔ مگر:

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝

کیا تو خیال کرتا ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا عقل سے کام لیتے ہیں۔ وہ صرف چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ وہ اور بھی دور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ نشان تو عقل والے ہی دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔" اور آسمانوں اور زمین میں ان کی عقل و فکر کو دعوت دینے کے لیئے کتنی ہی نشانیاں ہیں لیکن وہ اپنے

انجام سے بے خبر ان کی طرف سے منہ پھیر کر گذر جاتے ہیں"۔ "پھر نہ ماننے والی قوم پر کیا افسوس کیا جائے"۔

حضرت شہید مرحوم کے متعلق حضرت مسیح موعود کے چند فارسی اشعار بمعہ ترجمہ

"تذکرۃ الشہادتین" میں حضرت بانی سلسلہ کی ایک فارسی نظم ہے جس کے چند اشعار بمعہ ترجمہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ آں جواں مرد وحبیب کردگار — جوہر خود کرد آخر آشکار

اس اللہ تعالیٰ کے پیارے جوانمرد نے آخر کار اپنا جوہر نمایاں کر دیا۔

۲۔ نقد جاں از بہر جاناں باختہ — دل ازیں فانی سرا پرداختہ

اس نے اپنا دل اس فانی دنیا سے اٹھا لیا اور اپنے پیارے کی خاطر اپنی جان دے دی۔

۳۔ پر خطر ہست ایں بیابان حیات — صد ہزاراں اژدہائش در جہات

زندگی کا یہ جنگل جس میں ہزار ہا اژدہا ہر طرف منہ کھولے بیٹھے ہیں بڑے بڑے خطرات سے پُر ہے۔

۴۔ صد ہزاراں آتشے تا آسماں — صد ہزاراں سیل خونخوار و دماں

اس میں زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی آگ کے ہزاروں شعلوں اور خون کے ہزاروں سیلابوں سے گذرنا پڑتا ہے۔

۵۔ صد ہزاراں فرسخے در کوئے یار — دشت پُر خار و بلائش صد ہزار

اپنے محبوب تک پہنچنے کے لیے لاکھوں میل کا یہ فاصلہ کانٹوں اور ہزار ہا مصائب سے بھرے ہوئے جنگل میں سے گذر کر طے کرنا پڑتا ہے۔

۶۔ بنگر ایں شوخی ازاں شیخ عجم — ایں بیاباں کرد طے از یک قدم

لیکن اس شیخ عجم کی جرأت رندانہ کو تو دیکھو کہ اس نے یہ پُر خطر جنگل ایک

ہی قدم میں طے کر لیا۔

۷۔ ایں چنیں باید خدا را بندۂ سر پئے دلدار خود افگندۂ

وہ یہاں تک خدا کی محبت میں سرشار تھا کہ خود اپنا سر خوشی سے اپنے پیارے کے لیے پیش کر دیا۔

۸۔ او پئے دلدار از خود مُردہ بود از پئے تریاق زہرے خوردہ بود

اس نے اپنے محبوب کی خاطر اپنی مرضی سے موت کو گلے لگا لیا اور تریاق کی خاطر زہر کا پیالہ پی لیا۔

۹۔ تا نہ نوشد جامِ ایں زہرے کسے کے رہائی یابد از مرگ آں خسے

جب تک کوئی یہ زہر کا پیالہ نہ پی لے اسے اس دنیائے دوں سے نجات کیسے مل سکتی ہے۔

۱۰۔ زیر ایں موت است پنہاں صد حیات زندگی خواہی بخور جامِ ممات

ایسی موت کے نیچے سینکڑوں زندگیاں پوشیدہ ہیں۔ اگر زندگی چاہتے ہو تو موت کا پیالہ منہ سے لگا لو۔

بیں کہ عبداللطیف پاک مرد چوں پئے حق خویشتن برباد کرد

اس پاک مرد عبداللطیف کے نمونہ کو اپنے سامنے رکھو کہ کس طرح اس نے حق کی خاطر اپنے آپ کو برباد کر لیا۔

ایں بود رسم و راہ صدق و وفا ایں بود مردانِ حق را انتہا

اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق اور وفاداری کا یہی راستہ اور طریقہ ہے اور یہی مردان حق کی وفا شعاری کی انتہا ہے۔

از پئے آں زندہ از خود فانی اند جاں فشاں بر مسلک ربّانی اند

وہ حق کو زندہ رکھنے کے لیے اپنے آپ کو فنا کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دیتے ہیں۔

ہست دیں تخم فنا را کاشتن　　　　　وز سرِ ہستی قدم برداشتن

دین فنا کا بیج بونے اور زندگی سے قدم اٹھا لینے کا نام ہے یعنی دین کی خاطر فنا ہو جانے کا نام ہی زندگی ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کی شہادت کے بعد آپ کے خاندان کے حالات:

آپ کی شہادت کے بعد آپ کے خاندان پر ایک اور مصیبت آئی۔ حبیب اللہ خان کو اپنے خلاف بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ کیونکہ شہید مرحوم اپنے تقوٰی، طہارت، علم و فضل، سخاوت اور مخلوق پروری کی وجہ سے افغانستان کی ایک بہت با اثر اور مقبول شخصیت تھے۔ ان کے ہزارہا شاگرد، معتقدین اور مداح تمام افغانستان میں پھیلے ہوئے تھے اگر آپ کے خاندان کی طرف سے انہیں ذرا سا اشارہ بھی ہوتا تو بہت خون خرابہ ہوتا۔ اس خوف سے اس نے صاحبزادہ خاندان کے چار بڑے بڑے گھرانوں کو ترکستان جلاوطن کرنے کا حکم دیدیا یہ اکتوبر اور نومبر کے مہینے تھے جب افغانستان میں برفباری شروع ہو جاتی ہے۔ اور دشوار گذار پہاڑی راستے شدید برفباری کی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں اس لیے چاروں گھرانوں کے سربراہوں نے موسم بہار تک جلاوطنی کے احکامات پر عمل درآمد روک دینے کی درخواست کی اور کہا کہ برف پگھل جانے کے بعد جب راستے سفر کے قابل ہو جائیں گے تو ہم ترکستان چلے جائیں گے خوست کے حاکم نے یہ درخواست حبیب اللہ خان تک پہنچا دی جو منظور کر لی گئی۔

بہار کا موسم آنے پر یہ لوگ حسب وعدہ پیدل، گھوڑوں اور اونٹوں کے ذریعے ترکستان روانہ ہو گئے۔ جب بے گناہ اور بے قصور انسانوں کا یہ بے سروسامان قافلہ سید گاہ سے ترکستان کیلئے روانہ ہوا تو افغانستان کے سینکڑوں لوگ انہیں الوداع کہنے کے لیے غلگئی تک ان کے ساتھ گئے جہاں صاحبزادہ محمد سعید صاحب اور صاحبزادہ محمد مزمل صاحب نے ان کو واپس ہو جانے کو کہا۔ اس موقعہ پر ایک حجام نے پشتو میں ایک شعر کہا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ لوگوں سے جدا ہونے کی گھڑی آ پہنچی ہے ہمیں موت منظور ہے لیکن آپ سے جدائی منظور نہیں ہم بڑے رنجیدہ

دلوں کے ساتھ آپ سے جدا ہو رہے ہیں۔

یہ رقت آمیز منظر قابل دید تھا۔ ان میں سے بہت سے لوگ تو بیہوش ہو گئے۔ صاحبزادہ محمد سعید اور صاحبزادہ محمد مزمل نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ یہ صرف چند دنوں کی بات ہے۔ ہم انشاءاللہ دوبارہ آپ کے پاس جلد ہی واپس آجائیں گے۔ وہ لوگ بچشم گریاں واپس ہو گئے۔

افغانستان سے ترکستان تک کوئی ڈیڑھ ماہ کی مسافت ہے۔ اور راستہ دشوار گذار ہے جس کی وجہ سے بہت سے بچے بیمار ہو گئے۔ ترکستان میں ان لوگوں کو بہت سی تکالیف اور مصائب کا سامنا ہوا۔ ایک وقت وہ تھا کہ یہ بڑی راحت و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے ریشمی بستروں میں سوتے اور سینکڑوں لوگوں کو اپنے دستر خوانوں پر کھانا کھلاتے تھے ان پر ایسا وقت بھی آیا کہ وہ جو کی روٹی کو بھی ترستے تھے۔ حکومت نے انہیں گذارہ کے لیے کچھ زمین دی لیکن اسے آباد کرنے کے لیے ان کے پاس چھوٹی کوڑی تک نہ تھی۔ ایک دو سال تک نہایت کس مپرسی اور عسرت کی حالت میں جوں توں کر کے گذر بسر کی جس کے بعد حالات آہستہ آہستہ قدرے بہتر ہونے لگے۔

ترکستان میں غربت، افلاس اور علاج معالجہ کی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے ٹی۔ بی کی بیماری عام تھی۔ بے شمار لوگ اس کا شکار ہو کر مر جاتے۔ خدا کی شان کہ شہید مرحوم کی اولاد ہر قسم کی بیماری سے محفوظ رہی۔ آپ کی ایک نہایت ہی نیک اور مخلص بہن فرمایا کرتی تھیں، کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ایسی حفاظت اور پردہ داری کی کہ کسی نے میرے دوپٹے کا پلو تک نہیں دیکھا۔ یہ حضرت بانی سلسلہ اور شہید مرحوم کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ آپ کے خاندان کو کوئی خاص ناقابل برداشت تکلیف نہیں پہنچی جبکہ باقی تین خاندانوں نے بہت سی تکلیفیں اٹھائیں۔

ترکستان میں جلاوطنی کے آٹھ سال جیسے تیسے گذار لینے کے بعد امیر حبیب اللہ خان کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ شہید مرحوم کا خاندان کابل واپس آجائے اور باقی تین خاندان خوست چلے جائیں۔ ترکستان سے واپسی پر شہید مرحوم کے پسماندگان کو کابل میں کوچہ قاضی کی ایک حویلی میں

ٹھہرایا گیا۔ اور ان پر یہ پابندی لگادی گئی کہ ان میں سے کوئی بھی پانچ میل کے علاقہ سے باہر نہیں جا سکتا۔ ایک فرد روزانہ تھانہ میں جاکر یہ اطلاع بھی دیتا کہ ہم سب حاضر ہیں۔ کابل میں اور بھی کافی احمدی تھے۔ حکومت نے گزارہ کے لیے وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ اور خوست کی زمینوں کی آمدنی بھی ملنا شروع ہوگئی جس سے اس خاندان کی مالی حالت بہتر ہوگئی۔ یہ آمدنی اور دیگر ضروری سامان دو تاجر خان امیر اور خالستہ میر جو کابل اور پشاور کے درمیان تجارت کرتے تھے۔ صاحبزادہ صاحب کے فدائیں سے تھے کر ان کے خاندان تک پہنچا دیتے تھے۔

انہی دنوں ایک بدبخت پنجاب سے کابل پہنچ گیا۔ حکومت کو اس پر انگریز کا جاسوس ہونے کا شک گذرا تو اسے گرفتار کر کے اس سے پوچھ گچھ شروع ہوگئی۔ دوران تفتیش اس نے صاحبزادہ مرحوم کے گھرانے کے کسی فرد کا نام لے لیا کہ میں اسے جانتا ہوں۔ اس کے اس بیان پر پولیس شہید مرحوم کے چار بیٹوں کو گرفتار کر کے لے گئی۔ سب سے بڑا بیٹا بازار گیا ہوا تھا اسے جب اپنے بھائیوں کی گرفتاری کا علم ہوا تو وہ ان کی تلاش میں روانہ ہوگیا راستے میں کسی نے خفیہ طور پر اسے بتایا کہ انہیں عین الدولہ کے مہمان خانے میں رکھا ہوا ہے وہ جب وہاں پہنچا تو اسے بھی وہاں بٹھا لیا گیا۔ دو ماہ بعد انہیں عین الدولہ سے شیر پور جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ شیر پور جیل نہایت غلیظ جگہ تھی۔ وہاں انہیں بیڑیاں ڈال کر ۹ ماہ تک رکھا گیا۔ وہاں شہید مرحوم کے دونوں بڑے بیٹے صاحبزادہ محمد سعید اور صاحبزادہ محمد عمر ٹائی فس (TYPHUS) کی بیماری سے فوت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی دوران میں حبیب اللہ خان قتل ہوگیا اور اس کے بیٹے امان اللہ خان کی تخت نشینی کا جشن شروع ہوگیا۔ اس جشن میں افغانستان کے تمام بڑے بڑے خوانین جمع ہوئے جن میں سید اکبر خان کا بڑا بھائی بیرک خان بھی شامل تھا۔ اس موقعہ پر خوانین نے امان اللہ خان سے کہا کہ صاحبزادہ عبداللطیف کے خاندان کے لوگ جو کابل میں آٹھ سال سے نظر بند ہیں یہ بڑے سیدھے سادے مسلمان اور معصوم لوگ ہیں ان کا کیا گناہ ہے کہ ان کو اس حالت میں رکھا ہوا ہے جب تک آپ ان لوگوں کو آزاد نہیں کریں گے ہم آپ کی دعوت جشن میں

شریک نہیں ہوں گے اس پر امان اللہ خان نے یقین دلایا کہ میں ان کے معاملہ پر ضرور غور کروں گا۔ جشن کے بعد امان اللہ خان نے اپنے وعدہ کے مطابق اعلان کیا کہ یہ صاحبزادگان اپنے گاؤں سید گاہ جا سکتے ہیں ۔ ۲۶ سال کی جلاوطنی کے بعد یہ خاندان سید گاہ روانہ ہوگیا اور وہاں ان کا وہی شان و شوکت کا دور دورہ پھر سے شروع ہوگیا۔ یہ دیکھ کر اس خاندان کے مخالفین کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ در پردہ ان کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ افغانستان میں جب بھی کوئی گڑبڑ ہوتی یا کوئی کہیں فتنہ و فساد ہوتا یہ یہی مشہور کرتے کہ یہ سب کچھ صاحبزادہ عبداللطیف کے خاندان کی وجہ سے ہو رہا ہے ۔ اس طرح عوام میں اس خاندان کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ۔

اس خاندان کے سیدگاہ واپس جانے کے بعد خوست کا جو پہلا گورنر آیا تو غالباً مخالفین کی باتوں کی وجہ سے یا حکومت کے اشارے پر اس نے شہید مرحوم کے بیٹوں کو اپنے روبرو حاضر ہونے کا حکم نامہ بھیجا۔ اتفاق سے آپ کے دونوں بیٹے صاحبزادہ ابوالحسن اور صاحبزادہ محمد طیب ان دنوں بنوں گئے ہوئے تھے ۔ انہیں راتوں رات گورنر کے حکم نامہ کے متعلق پیغام پہنچایا گیا۔ واپس آکر جب وہ گورنر کے سامنے پیش ہوئے تو گورنر انہیں دیکھ کر اور ان کی گفتگو سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے قسم کھا کر کہا کہ اگر خوست میں کوئی قابل احترام خاندان ہے تو وہ یہی لوگ ہیں۔ لیکن مخالفین اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہ تھے ۔ انہوں نے وہاں کے قاضی کو جو پاگل قاضی کے نام سے مشہور تھا بھڑکایا۔ اس نے حکم دیا کہ تمام قادیانیوں کو جیل میں ڈال دو۔ چنانچہ اس حکم پر صاحبزادہ عبدالقدوس صاحب کے والد صاحبزادہ میر اکبر اور صاحبزادہ ابوالحسن کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ اور انہیں ۱۸ ماہ تک قید میں رکھا گیا۔ مارا پیٹا اور بہت اذیتیں دیں ۔ اس طرح ان بے قصور لوگوں پر خوست کی زمین تنگ کر دی گئی اور وہاں ان کا جینا دشوار ہوگیا۔ ان حالات میں ان لوگوں نے افغانستان کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

خاندان کے کچھ مرد در بند جیل میں ان دونوں زیر حراست صاحبزادگان کے پاس

ملاقات کے لیے گئے اور افغانستان سے ہجرت کے متعلق اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ ان دونوں نے بڑی استقامت اور حوصلہ کے ساتھ جواب دیا کہ آپ لوگ چلے جائیں ہماری فکر نہ کریں۔ ہم پہ جو گذری گذار یں گے۔

۱۹۲۴ء میں امیر امان اللہ خان کے خلاف بغاوت شروع ہو گئی۔ بہت سے دوسرے الزامات کے علاوہ ان پہ ایک الزام یہ بھی لگایا گیا کہ یہ قادیانی ہے۔ کسی کے خلاف عوام کو بھڑکانے کا سب سے مؤثر حربہ یہی ہے کہ اسے قادیانی کہہ دیا جائے۔ یہ سلسلہ ابتداء سے چلتا آرہا ہے اور آج بھی چل رہا ہے۔ امان اللہ خان کو قادیانی کہہ دینے کی وجہ شاید یہ ہو کہ انہوں نے صاحبزادگان کو آزاد کر کے دوبارہ سید گاہ واپس جانے کی اجازت دیدی اور وہی مراعات ان کو دے دیں جو انہیں پہلے حاصل تھیں۔ یہ بات ان مخالفین کو گوارا نہ تھی جو ان کی عدم موجودگی میں فوائد حاصل کر رہے تھے۔ امان اللہ خان نے اس بغاوت کو کچل دیا۔ اس سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ احمدیوں پر مزید سختیاں شروع ہو جائیں گی اور مخالفین فتنہ و فساد پر آمادہ رہیں گے۔ اس کے پیشِ نظر یہ لوگ راتوں رات اپنے چند مزارعین کے ہمراہ سید گاہ سے نکلے اور درا گئی نامی ایک مقام پر پہنچے جہاں یہ تقریباً ڈیڑھ سال تک مقیم رہے۔ دراگئی کے لوگوں نے یہ ضمانت دی تھی کہ یہ یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے ایک دفعہ انہوں نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی لیکن حکومت کے اہل کاروں کو خبر ہو گئی اور انہیں روک لیا گیا۔ دو تین ماہ تک انتظار کے بعد انہوں نے ایک اور کوشش کی اور اس دفعہ معجزانہ طور پر کامیاب ہو گئے۔ ہوا یوں کہ اس بار ان کے وہاں سے نکلنے کے بعد ایک عورت ان کے گھر آئی اس نے جب دیکھا کہ گھر خالی ہے تو اس نے ایک شخص عبدالباقی کو وہاں کے مقامی حاکم کو اطلاع دینے کو کہا۔ عبدالباقی نے اس حاکم کے اردلی کو بتایا لیکن رات کا وقت تھا اردلی بات سن کر پھر سو گیا۔ جب وہ صبح بیدار ہوا تو دن چڑھ چکا تھا۔ وہ بھاگا بھاگا حاکم کے پاس پہنچا لیکن اس وقت تک یہ لوگ افغانستان کی حدود پار کر کے انگریزی علاقہ میں داخل ہو چکے تھے یکم جنوری ۱۹۲۶ء کو یہ لوگ افغانستان سے نکل کر میران شاہ پہنچے اور اس کے بعد بنوں سے ہوتے ہوئے سرائے نورنگ آئے اور وہیں آباد ہو گئے۔

حرفِ آخر:

حضرت صاحبزادہ عبداللطیفؒ راہ رسم وفا پر استقامت کے ساتھ چلتے ہوئے شہادت کا مقام پا گئے۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے بیٹوں اور دوسرے پسماندگان نے بھی کڑی آزمائشوں سے گذرتے ہوئے آپ کے مسلک کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ ظالموں کو اپنے کئے کی عبرت ناک سزا ملی لیکن حضرت صاحبؒ کے یہ الفاظ کہ "جو لوگ میری جماعت میں سے میری موت کے بعد رہیں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کام کریں گے"۔ خاص طور پر جماعت لاہور سے تعلق رکھنے والے موجودہ لوگوں کو دعوتِ فکر دیتے ہیں حضرت صاحب کے بعد آپ کے ساتھی ہمارے بزرگوں نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ تحریکِ احمدیت کا ایک روشن باب ہیں۔ ان کی روشن کی ہوئی شمعیں آج مغرب کی تاریک وادیوں کو روشن کر رہی ہیں۔ اور انشاء اللہ کرتی رہیں گی۔

ہمارے اشد معاندین بھی انہی کے بہائے ہوئے چشموں سے سیراب ہو رہے ہیں گو وہ اسے تسلیم نہ کریں۔ ہمارے مرحوم بزرگوں کی شب و روز کی کاوشوں کی وجہ سے دنیا حضرت صاحب کے نظریات کو قبول کرتی جا رہی ہے۔ ملک کے اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین اور دوسرے ذرائع ابلاغ سے کی جانے والی تقریریں اس کی عکاسی کرتی ہیں۔ ع

دل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

ہر بادل کے ساتھ ایک نقرئی لکیر ہوتی ہے جو یاس میں امید کی کرن ہوتی ہے۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم حضرت بانی سلسلہ کی مقدس روح کو مجروح اور مایوس نہ ہونے دیں ہم جانتے ہیں کہ ہم کمزور ہیں ہم میں سے کوئی عبداللطیف نہیں بن سکتا۔ اور نہ اس حد تک دین کو دنیا پر مقدم کرنیکا دعوے کر سکتا ہے۔ لیکن اس پُرآشوب دور میں بھی ہم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ کہ حضرت صاحب اور اپنے بزرگوں کے بیش قیمت ورثہ کو وفاداری کے ساتھ اپنے سینہ سے لگا کر ایک بہتر صورت میں اپنی آئندہ نسلوں کو منتقل کرنے کے لیے حتی الامکان جدوجہد کریں۔ اللہ ہمیں توفیق دے۔ آمین۔